بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحسَنَ الحَدِیثِ

نضر اللہ امرأ سمع منا
حدیثاً فحفظہ حتی یبلغہ

شمارہ نمبر 40

شعبان ۱۴۲۸ھ ستمبر ۲۰۰۷ء

ماھنامہ

الحدیث

حضرو

- عقائد میں تمام اہلِ حق متحد ہیں
- قسطوں کا کاروبار شریعت کی نظر میں
- دلائل النبوۃ للبیہقی اور حدیثِ نور
- ایک دُشنام طراز کے جواب میں
- سیدنا ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے محبت

مدیر

حافظ زبیر علی زئی

مکتبۃ الحدیث

حضرو اٹک : پاکستان

AL-HADITH

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰہ نزّل أحسن الحدیث

ماہنامہ الحدیث حضرو

نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثاً فحفظہ حتی یبلغہ

جلد: 4 | شعبان ۱۴۲۸ھ ستمبر ۲۰۰۷ء | شمارہ: 9

اس شمارے میں

قیمت

فی شمارہ : 15 روپے

سالانہ : 150 روپے

علاوہ محصول ڈاک

پاکستان: مع محصول ڈاک

200 روپے

برائے رابطہ

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد

0300-5288783

مقامِ اشاعت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

کلمۃ الحدیث　　حافظ ندیم ظہیر

فرقہ واریت، نتیجہ اور دعوتِ فکر

امت مسلمہ جن پریشان کن حالات سے دو چار ہے، اس کے بہت سے اسباب و وجوہات ہیں۔ اگر سرسری طور پر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ آج امت مسلمہ جس موڑ پر کھڑی ہے، اس کا ایک اہم پہلو انتشار وافتراق اور بے جا اختلافات کا شکار ہونا ہے۔ جس سے ہر سلیم الفطرت دل کی دھڑکن بے ترتیب، ذہن متفکر اور آنکھ نم ناک ہے۔ کیونکہ اَغیار اس صورتِ حال سے نہ صرف بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں بلکہ ان زخموں پر نمک پاشی بھی کر رہے ہیں اور مسلمانوں کی موجودہ حالت (Situation) اس بھوکے شیر کی مانند ہے جسے پنجرے میں قید کر کے اس کے سامنے صید (شکار) چھوڑ دیا جائے اور شیر تھوڑی دیر کے لئے تڑپتا ہے، کبھی دائیں کبھی بائیں پھر بالآخر تھک کر بیٹھ جاتا ہے اور حسرت بھری نگاہوں سے اپنے شکار کو دیکھتا رہتا ہے۔ بالکل یہی سلوک امت مسلمہ کے ساتھ بھی ہو رہا ہے جنھیں مرعوبیت و بے بسی کے اندھے کنوئیں میں ڈال کر ان کے سامنے کبھی رسول مکرم سیدنا محمد ﷺ کے توہین آمیز خاکے پیش کئے جاتے ہیں تو کبھی ملعون رشدی کو "سَر" کے خطاب سے نوازا جاتا ہے اور بیچارے روحانی، جسمانی و ذہنی طور پر مفلوج مسلمان کچھ عرصے کے لئے تڑپ کر رہ جاتے ہیں۔

قارئین کرام! کب تک ہمارے ساتھ ایسا ہوتا رہے گا؟ کب تک انتشار وافتراق کی دلدل میں پھنسے رہیں گے؟ کب تک اختلافات کی بھٹی میں جُھلستے رہیں گے؟ کب تک فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھے رہیں گے؟ کب یہ بشارتِ مبارکہ سننے کو ملے گی کہ امتِ مسلمہ اتحاد کے پلیٹ فارم (قرآن وسنت) پر اکٹھی ہوگئی ہے؟

معزز قارئین! اختلاف کا ہو جانا بڑی بات نہیں! لیکن جب یہ اختلافات، تنازعات کی صورت اختیار کر لیں، حسد وکینہ، بغض وفساد کا ذریعہ بن جائیں، نسبتیں شخصیات کی طرف ہونا شروع ہو جائیں، مرکز ومحور: غیرِ رسول بن جائے اور جب فرقوں میں منقسم کردے تو یقیناً قابل غور امر ہے!

لمحۂ فکریہ: ایسے میں ہمارا کردار کیا ہونا چاہئے؟ کہ جس سے تمام مسلمان ایک امت، ایک جماعت بن جائیں۔ وہ ہے خالص قرآن وحدیث کی دعوت عام کرنا، واضح رہے صراطِ مستقیم کا واحد ذریعہ اور اتحادِ امت کی واحد سبیل صرف قرآن وحدیث ہے۔ یہاں بھی بعض دل جلے تجاہلِ عارفانہ کی رَوِش اپناتے ہوئے یہ نعرہ بلند کرتے ہیں کہ صرف قرآن وحدیث کہنے سے ''اجماع واجتہاد کا انکار ہو گیا'' حالانکہ جب اجماع واجتہاد کا ثبوت قرآن وحدیث سے ملتا ہے تو قرآن وحدیث کے ماننے میں اجماع واجتہاد کا ماننا خود بخود آ گیا۔ **فافهم و تدبر جدًا**

قرآن وحدیث اور عملِ سلف صالحین بھی اسی طرف رہنمائی فرماتے ہیں کہ اتفاق کا راستہ ایک ہی ہے اور وہ ہے کتاب وسنت۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا** ﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں سے اصحابِ امر ہیں۔ پھر اگر تم کسی چیز میں باہم اختلاف کرو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر اور بہت اچھا انجام ہے۔ [النسآء:۵۹]

یہ آیت کریمہ واضح دلیل ہے کہ تنازعہ (اختلاف) کی صورت میں قرآن وحدیث ہی کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور یہ فرقہ واریت کے خاتمے کا بہترین ومجرب نسخہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہترین بات کتاب اللہ ہے اور بہترین ہدایت محمد ﷺ کی سنت ہے۔ [صحیح مسلم:۸۶۷]

آپ ﷺ نے فرمایا: ((**قد تركتكم على البيضاء ليلها كنها رها، لا يزيغ عنها بعدي إلا هالك ..**)) میں تمھیں چمکتی (شریعت) پر چھوڑ رہا ہوں، اس کی رات (بھی) اس کے دن کی طرح روشن ہے، میرے بعد اس سے وہی پھرے گا جو ہلاک ہونے والا ہے۔

[سنن ابن ماجہ:۴۳ واسنادہ صحیح]

اس قدر چمکتی شریعت اور روشن دین کو چھوڑ کر غیر نبی کی چوکھٹ پر بیٹھنا یا عام شخصیات

کے دامن سے چمٹنا، اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے؟
ہمارے سلف صالحین کا یہ طرۂ امتیاز تھا کہ وہ قرآن و سنت کے مقابلے میں کسی غیر کی بات کو حجت سمجھنا تو در کنار اسے درخورِ اعتنا بھی نہ جانتے تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**ما کنت لأدع سنة النبي ﷺ لقول أحد**''
میں کسی شخص کے کہنے سے نبی ﷺ کی سنت نہیں چھوڑ سکتا۔ [صحیح بخاری: ۱۵۶۳]

سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ مُلکِ شام کے ایک آدمی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے حجِ تمتع کے بارے میں سوال کیا تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ حلال (جائز) ہے۔ تو شامی نے کہا: آپ کے والد محترم نے اس سے منع کیا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمھارا کیا خیال ہے کہ اگر میرے والد نے اس سے روکا ہو اور رسول اللہ ﷺ نے اسے کیا ہو (تو کیا) میرے والد کے حکم کی پیروی کی جائے گی یا رسول اللہ ﷺ کے حکم کی؟ اس شخص نے کہا: بلکہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی (پیروی کی جائے گی، تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے) فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے اسے (حجِ تمتع کو) کیا (یعنی جائز قرار دیا) ہے۔ [سنن ترمذی: ۸۲۴ و اسنادہ صحیح]

اتحادِ امت میں ایک بڑی رکاوٹ ''تقلید'' بھی ہے جس نے امت کو پارہ پارہ کیا اور مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''**لا تقلدوا دینکم الرجال ... إلخ**'' اپنے دین میں آدمیوں کی تقلید مت کرو۔ الخ
[السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۱۰ و سندہ صحیح]

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''**أما العالم فإن اهتدیٰ فلا تقلدوه دینکم**''
عالم اگر سیدھے راستے پر بھی ہو تو اس کی اپنے دین میں تقلید نہ کرو۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ۲/۱۱۱)

خلاصہ: ہماری اس تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ وقت تقاضا کر رہا ہے کہ امت مسلمہ متحد و منظّم ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم صرف قرآن و حدیث کو رہنما تسلیم کر کے اس پر عمل پیرا ہوں۔ یہی فرقہ واریت کے خاتمے کا ذریعہ ہے۔ اس سے نہ صرف دنیا میں عزت کا حصول ہوگا بلکہ آخرت میں بھی سُرخرو ہوں گے۔ ان شاء اللہ

فقہ الحدیث

حافظ زبیر علی زئی

عقائد میں تمام اہلِ حق متحد ہیں

الفصل الثالث

۱۱۳) عن أبی الدرداء قال :قال رسول الله ﷺ :((إن اللّٰه عزّ وجل فرغ إلٰی کل عبد من خلقه من خمس :من أجله وعمله و مضجعه، و أثره ورزقه)) رواه أحمد .

(سیدنا) ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے ہر بندے کے بارے میں پانچ چیزوں سے فارغ ہو چکا ہے: اس کی مدتِ عمر، اس کے عمل، اس کے لیٹنے و چلنے پھرنے کی جگہ اور رزق سے۔

اسے احمد (۱۹۷/۵ ح ۲۲۰۶۶) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: حسن ہے۔

اس روایت کی سند میں فرج بن فضالہ ضعیف راوی ہے لیکن مروان بن محمد (السنۃ لابن ابی عاصم: ۳۰۴) اور ولید بن مسلم (السنۃ: ۳۰۵) وغیرہما نے اس کی متابعت کر رکھی ہے۔ اسی طرح وزیر بن صبیح (صحیح ابن حبان، الاحسان: ۶۱۱۷) اور عوام بن صبیح (کشف الاستار، زوائد البزار: ۲۱۵۲) وغیرہما نے یہی روایت یونس بن میسرہ بن حلبس سے بیان کر رکھی ہے لہٰذا یہ روایت حسن ہے۔

فقہ الحدیث

۱: **أجله** سے مراد موت اور مدتِ عمر ہے۔

۲: **مضجعه** سے مراد لیٹنے کی جگہ یعنی قبر ہے۔

۳: تقدیر کا فیصلہ ازل سے ہو چکا ہے۔

۱۱۴) وعن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت :سمعت رسول اللّٰه ﷺ يقول :((من تكلم في شيئ من القدرِ سئل عنه يوم القيامة و من لم يتكلم فيه لم يسأل عنه .)) رواه ابن ماجه .

(سیدہ) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جس نے تقدیر کے بارے میں کوئی کلام کیا تو قیامت کے دن اس سے پوچھا جائے گا اور جس نے تقدیر کے بارے میں خاموشی اختیار کی تو اس سے نہیں پوچھا جائے گا۔ اسے ابن ماجہ (۸۴) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ اسے ابوبکر الآجری نے بھی کتاب الشریعہ (ص۲۳۵ ح۵۳۱) میں یحییٰ بن عثمان کی سند سے بیان کیا ہے۔

اس کا راوی یحییٰ بن عثمان التیمی القرشی ابوسہل البصری ضعیف ہے۔

(دیکھئے تقریب التہذیب:۷۶۰۶)

علامہ بوصیری نے کہا کہ اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔ (زوائد ابن ماجہ:۸۴)

یحییٰ بن عثمان کا استاد یحییٰ بن عبداللہ بن ابی ملیکہ لین الحدیث (ضعیف) ہے۔

(تقریب التہذیب:۷۵۸۷)

۱۱۵) وعن ابن الديلمي قال :أتيت أبي بن كعب فقلت له :قد وقع في نفسي شيئ من القدر فحدثني لعل اللّٰه أن يذهبه من قلبي . فقال : لو أن اللّٰه عزوجل عذّب أهل سماواته و أهل أرضه عذبهم وهو غير ظالم لهم ولو رحمهم كانت رحمته خيرًا لهم من أعمالهم و لو أنفقت مثل أحد ذهبًا في سبيل اللّٰه ما قبله اللّٰه منك حتى تؤمن بالقدر و تعلم أن ما أصابك لم يكن ليخطئك و أن ما أخطأك لم يكن ليصيبك . ولو مت على غير هٰذا لدخلت النار. قال :ثم أتيت عبداللّٰه بن مسعود فقال مثل ذلك . قال :ثم أتيت حذيفة بن اليمان

فقال مثل ذلك . ثم أتيت زيد بن ثابت فحدثني عن النبي ﷺ مثل ذلك . رواه أحمد و أبو داود وابن ماجه .

(عبداللہ بن فیروز) ابن الدیلمی (رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ میں (سیدنا) ابی بن کعب (رضی اللہ عنہ) کے پاس آیا اور انھیں کہا: میرے دل میں تقدیر کے بارے میں کچھ شبہ واقع ہو گیا ہے لہٰذا آپ مجھے کوئی حدیث بیان کریں تا کہ یہ شبہ میرے دل سے نکل جائے۔ تو انھوں نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ زمین اور آسمان والوں کو عذاب دینا چاہے تو وہ ظالم نہیں ہوگا اور اگر ان پر رحم کرنا چاہے تو اس کی رحمت مخلوق کے اعمال سے بہتر ہے۔ اگر تم اللہ کے راستے میں اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دو تو اللہ قبول نہیں کرے گا جب تک تم تقدیر پر ایمان نہ لے آؤ اور یہ جان لو! کہ جو مصیبت تمھارے لئے لکھی ہوئی ہے اس نے ٹلنا نہیں تھا اور جو مصیبت ٹل گئی ہے اس نے آنا نہیں تھا۔ اگر تم اس کے علاوہ کسی دوسرے عقیدے پر مرو گے تو جہنم میں جاؤ گے۔ پھر میں (سیدنا) عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کے پاس گیا تو انھوں نے بھی اسی طرح کہا، پھر میں (سیدنا) حذیفہ بن الیمان (رضی اللہ عنہ) کے پاس گیا تو انھوں نے بھی اسی طرح کہا، پھر میں (سیدنا) زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ) کے پاس گیا تو انھوں نے مجھے اسی طرح کی رسول اللہ ﷺ سے حدیث بیان کی۔ اسے احمد (۱۸۲/۵، ۱۸۳ ح ۲۱۹۲۲) ابوداود (۴۶۹۹) اور ابن ماجہ (۷۷) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند حسن ہے۔

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔ (مسند احمد ۱۸۲/۵ ح ۲۱۵۸۹) اور اسحاق بن سلیمان الرازی وغیرہ نے ان کی متابعت کر رکھی ہے۔ اس روایت کو ابن حبان (الاحسان: ۷۲۷، الموارد: ۱۸۱۷) نے صحیح قرار دیا ہے۔

ابوسنان سعید بن سنان البرجمی الشیبانی حسن الحدیث ہیں، جمہور محدثین نے انھیں ثقہ و صدوق قرار دیا ہے۔

فقہ الحدیث

۱: تقدیر پر ایمان کے بغیر، قیامت کے دن نجات نہیں ہوگی۔

۲: صحابۂ کرام کا یہ (اجماعی) عقیدہ تھا کہ تقدیر برحق ہے۔

۳: آدمی کو چاہئے کہ وہ مسلسل تحقیق میں مشغول رہے اور جب بھی دلیل ملے تو اسے مضبوطی سے تھام لے۔

۴: ایک عالم سے مسئلہ پوچھنے کے بعد دوسرے عالم سے بھی مسئلہ پوچھا جا سکتا ہے۔

۵: مرفوع حدیث کو بعض راویوں کے موقوف بیان کرنے سے مرفوع حدیث ضعیف نہیں ہو جاتی۔

۶: عقائد میں تمام اہلِ حق متحد ہیں۔ اختلاف تو صرف اجتہادی مسائل میں ہے۔

۷: اگر کسی آدمی کو اہلِ بدعت اپنی چرب زبانی کی وجہ سے شبہات میں مبتلا کرنے کی کوشش کریں تو علمائے حق کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

۸: سلف صالحین کا فہم وہ مشعل ہے جس کی وجہ سے آدمی گمراہی سے محفوظ رہتا ہے۔

۹: علمائے حق کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہر مسئلہ بیان کرتے وقت ضرور بالضرور دلیل بیان کریں البتہ دلیل پوچھنے پر ٹال مٹول و قیل قال کے بجائے ضرور دلیل بتانی چاہیے اور افضل یہی ہے کہ مسئلہ دلیل کے ساتھ بیان کیا جائے تاکہ جو زندہ رہے وہ دلیل دیکھ کر جئے اور جو مرے وہ دلیل دیکھ کر مرے۔

۱۰: دلیل کے مقابلے میں ہر شخص کی بات مردود ہے چاہے وہ کتنا بڑا مجتہد و امام ہی کیوں نہ ہو۔

۱۱: اللہ تعالیٰ کے ہاں اہلِ بدعت کے اعمال مقبول نہیں ہیں چاہے وہ کتنے ہی بڑے اعمال کیوں نہ ہوں۔

۱۲: تقلید جائز نہیں ہے اور نہ علمائے حق سے مسئلہ پوچھنا تقلید ہے۔

۱۳: اجماع شرعی حجت ہے۔

۱۴: قرآن و حدیث سے دلوں کو اطمینان و سکون حاصل ہوتا ہے۔

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

رسول اللہ ﷺ کا سایۂ مبارک

سوال: کیا کسی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ تھا؟

(عدنان الطاف، اسلام آباد)

الجواب: جی ہاں! رسول اللہ ﷺ کے سایہ کا ثبوت کئی احادیثِ صحیحہ میں ہے اور اس کے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔

طبقات ابن سعد (۸/ ۱۲۶، ۱۲۷، واللفظ لہ) اور مسند احمد (۶/ ۱۳۱، ۱۳۲، ۲۶۱) میں امام مسلم کی شرط پر شمیسہ رحمہا اللہ سے روایت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: " **فبینما أنا یوماً في منصف النهار ، إذا أنا بظل رسول الله ﷺ مقبلاً** " دوپہر کا وقت تھا کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ آرہا ہے۔

شمیسہ کو امام ابن معین نے ثقہ کہا ہے۔ (تاریخ عثمان بن سعید الدارمی: ۴۱۸) اور ان سے شعبہ نے بھی روایت کی ہے اور شعبہ (حتی الامکان) اپنے نزدیک عام طور پر صرف ثقہ سے روایت کرتے تھے۔

''**کما هو الأغلب**'' [دیکھئے: تہذیب التہذیب ۱/ ۴، ۵]

لہٰذا یہ سند صحیح ہے۔ اسی طرح کی ایک طویل روایت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ جس کا ایک حصہ کچھ یوں ہے: ''**فلما کان شهر ربیع الأول ، دخل علیها ، فرأت ظله ....** '' إلخ جب ربیع الاول کا مہینہ آیا تو آپ (ﷺ) اُن کے پاس تشریف لائے، انھوں نے آپ کا سایہ دیکھا... الخ [مسند احمد ۶/ ۳۳۸]

اس کی سند صحیح ہے اور جو اسے ضعیف کہتا ہے وہ خطا پر ہے کیونکہ شمیسہ کا ثقہ ہونا ثابت

ہو چکا ہے۔

صحیح ابن خزیمہ (۲/۵۱ح ۸۹۲) میں بھی صحیح سند کے ساتھ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((حتی رأیت ظلي و ظلکم......إلخ))

یہاں تک کہ میں نے اپنا اور تمھارا سایہ دیکھا......الخ

اسے حاکم اور ذہبی دونوں نے صحیح کہا ہے۔ [المستدرک للحاکم ۴/۴۵۶]

کسی صحیح یا حسن روایت سے یہ قطعاً ثابت نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔ علامہ سیوطی نے خصائص کبریٰ میں جو روایت نقل کی ہے وہ اصول حدیث کی رُو سے باطل ہے۔

یا ساریة الجبل والی روایت کی تحقیق

سوال: کیا یا ساریۃ الجبل والی روایت صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو مفہوم واضح کریں اور اگر ضعیف ہے تو وجہ ضعف بیان کر دیں۔ جزاکم اللہ خیراً

(ڈاکٹر محمد شفیق چوہدری، راولپنڈی)

الجواب: اس سلسلے میں راقم الحروف کا ایک تفصیلی مضمون ''ہفت روزہ الاعتصام لاہور'' (ج ۴۳ شمارہ ۴۵، ۸ نومبر ۱۹۹۱ء) میں شائع ہوا تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ یا ساریۃ الجبل والا قصہ بلحاظ سند صحیح ثابت نہیں ہے۔ اس کی سندوں کی بحث مختصراً درج ذیل ہے:

۱: ابن عجلان عن نافع عن ابن عمر۔ الخ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۳۷۰)

اس کی سند ابن عجلان کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

محمد بن عجلان مدلس ہیں۔ (طبقات المدلسین بتحقیقی ۹۸/۳ص۶۰) اور عن سے روایت کر رہے ہیں۔ اصولِ حدیث میں یہ مقرر ہے کہ غیر صحیحین میں مدلس کا عنعنہ صحت حدیث کے لیے قادح ہے۔ یعنی مدلس راوی کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

(دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح ص ۹۹)

۲: ایاس بن معاویہ بن قرۃ کی مرسل روایت (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۳۷۰)

مرسل روایت جمہور محققین کے نزدیک مردود ہوتی ہے۔ (دیکھئے الفیۃ العراقی: ۱۲۳ ص ۲۸)

۳: ایوب بن خوط عن عبدالرحمان السراج عن نافع الخ [الفوائد لأبی بکر بن خلاد (۲/۲۱۵/۱ قلمی) بحوالہ السلسلۃ الصحیحۃ (۳/۱۰۱ ح ۱۱۱۰)] اس کا راوی ایوب بن خوط متروک ہے۔ [التقریب: ۶۱۲]

۴: فُرات بن السائب عن میمون بن مہران عن ابن عمر الخ (اسد الغابہ: ۲/۲۴۴)

فرات بن السائب متروک وسخت مجروح ہے۔ [دیکھئے میزان الاعتدال ۳/۳۴۱ وکتب المجروحین]

۵: الواقدی عن شیوخہ (البدایہ والنہایہ ۷/ ۱۳۵، الاصابہ ۲/۳)

واقدی مشہور کذاب اور متروک راوی ہے۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب ۹/ ۳۲۳۔۳۲۶)

۶: سیف بن عمر عن شیوخہ (البدایہ والنہایہ ۷/۱۳۴)

سیف مشہور متروک الحدیث اور زندیق ہے۔ (تہذیب التہذیب ۴/ ۲۵۹، ۲۶۰)

۷: هشام بن محمد بن مخلد بن مطر عن أبي توبة عن محمد بن مهاجر عن أبي بلج علي بن عبدالله إلخ (السنۃ للالکائی ۷/ ۱۳۰، ۱۳۱)

اس میں ہشام اور ابو بلج کے حالات نامعلوم ہیں یعنی دونوں مجہول ہیں۔

۸: لالكائي عن مالك عن نافع عن ابن عمر

[البدایہ والنہایہ ۷/۱۳۵، وکرامات اللالکائی: ۳۷ دوسرا نسخہ: ۶۷]

اس کے راوی عمرو بن الازہر کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا: کذاب (الضعفاء والمتروکون: ۳۹۵) ابن حبان نے اسے حدیثیں گھڑنے والا قرار دیا۔ دیکھئے المجروحین (۲/ ۷۸) لہٰذا یہ سند موضوع ہے۔ خود حافظ ابن کثیر نے کہا: ''وفي صحته من حديث مالك نظر'' اور اس کی صحت میں نظر ہے۔ (البدایہ ۷/۱۳۵)

اس قصے کی دیگر سندیں بھی مردود ہیں لہٰذا یہ کہنا کہ یہ ایک دوسرے کی تقویت کرتی ہیں غلط ہے۔

اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ واقعہ اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف وناقابل اعتماد ہے۔ لہٰذا اسے کسی متاخر امام یا عالم کا صحیح قرار دینا اصول حدیث کی رو سے غلط ہے۔ جو لوگ اسے صحیح سمجھتے ہیں انھیں چاہئے کہ اصول حدیث کی روشنی میں اس واقعہ کا صحیح ہونا ثابت کریں۔

رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھنا

سوال: کیا دورِ حاضر میں رسول اللہ ﷺ کسی کے خواب میں آسکتے ہیں یعنی (کیا خواب میں آپ کی) زیارت ممکن ہے؟

① سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھے نیند (خواب) میں دیکھا اس نے یقیناً مجھے دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل نہیں بنا سکتا۔

[صحیح بخاری: ۶۹۹۴، صحیح مسلم: ۲۲۶۶، دارالسلام: ۵۹۱۹]

② سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ مجھے بیداری میں دیکھے گا اور شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔

[صحیح بخاری: ۶۹۹۳، صحیح مسلم: ۲۲۶۶، دارالسلام: ۵۹۲۰]

مندرجہ بالا احادیث کی تشریح فرمائیے۔ (فاروق حیدر، راولپنڈی)

الجواب: رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا جا سکتا ہے بشرطیکہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی اپنی صورت پر دیکھا جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو خواب میں جو دیکھا تو یہ بالکل صحیح ہے وہ آپ ﷺ کی صورت مبارک پہچانتے تھے۔ ان کے بعد جو بھی دیکھنے کا دعویٰ کرے گا تو اگر اس کا عقیدہ صحیح ہے تو پھر اس کے خواب کو قرآن وحدیث وفہم سلف صالحین پر پیش کیا جائے گا، ورنہ ایسے خوابوں سے دوسرے لوگوں پر حجت قائم کرنا صحیح نہیں ہے۔

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شکل مبارک میں شیطان لعین ہرگز نہیں آسکتا مگر کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ شیطان جھوٹ نہیں بول سکتا اور کسی دوسری شکل میں آکر کذب بیانی سے اسے کسی مومن اور صالح شخص کی طرف منسوب نہیں کرسکتا۔

بیداری میں دیکھنے کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں:

① عہد نبوی میں جس نے آپ ﷺ کو خواب میں دیکھا تو وہ پھر بیداری میں بھی ضرور دیکھے گا لہٰذا یہ حدیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خاص ہے۔

② اگر اس حدیث کو عام سمجھا جائے تو پھر دیکھنے والا قیامت کے دن آپ ﷺ کو

بیداری میں دیکھے گا۔

حدیث کا مفہوم

سوال: صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی درج ذیل حدیث کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

(۱) ((خلق اللّٰہ آدم علیٰ صورتہ......إلخ)) [اللہ تعالیٰ نے آدم کو اُن کی صورت پر پیدا فرمایا الخ] (بخاری: ۶۲۲۷)

(۲) ((خلق اللّٰہ عزوجل آدم علیٰ صورتہ......إلخ)) [اللہ عزوجل نے آدم کو ان کی صورت پر پیدا فرمایا الخ] (مسلم: ۲۸۴۱، دارالسلام: ۷۱۶۳) (ام سعد، واہ کینٹ)

الجواب: روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إذا قاتل أحدکم أخاہ فلیجتنب الوجہ فإن اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ))

اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے لڑے تو (اس کے) چہرے پر نہ مارے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس (شخص) کی صورت پر پیدا کیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۶۱۲، دارالسلام: ۶۶۵۵)

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث و دیگر احادیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ ''**علیٰ صورتہ**'' سے مراد مضروب ہے۔ یعنی وہ شخص جسے مارا پیٹا گیا ہے۔ (دیکھئے کتاب التوحید ص ۳۷) اگر کوئی کہے کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ ((**فإن اللہ خلق آدم علیٰ صورۃ الرحمن**)) پس اللہ تعالیٰ نے آدم کو رحمٰن کی صورت پر پیدا کیا۔

(کتاب التوحید لابن خزیمہ ص ۳۸، المعجم الکبیر للطبرانی ۱۲/ ۴۳۰ ح ۱۳۵۸۰)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت اصول حدیث کی رو سے ضعیف ہے۔ اس کے دو راوی الاعمش اور حبیب بن ابی ثابت مدلس ہیں اور ''عن'' سے روایت کر رہے ہیں۔

(دیکھئے طبقات المدلسین بتحقیقی ۵۵/ ۲، ۶۹/ ۳)

اصول حدیث میں یہ مقرر ہے کہ مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔ بعض حنابلہ نے اس حدیث کی تصحیح پر ایک کتاب بھی لکھی ہے مگر نہ تو وہ ان راویوں کی تصریح سماع ثابت کر سکے ہیں اور نہ کوئی معتبر متابعت لہٰذا بڑی کتاب لکھنے کا آخر فائدہ کیا ہے؟ (۲۹ جولائی ۲۰۰۷ء)

ابو جبیر محمد اسلم سندھی

بدیع التفاسیر: ایک عظیم تفسیر۔ایک مختصر جائزہ

(۲)

سورۂ ھود کی ابتدائی آیت ﴿ کِتَابٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ ﴾ کی تفسیر میں شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''(۱) قرآن مجید کی آیات نظم اور ترتیب کے لحاظ سے ایسے احسن پیرائے پر ہیں کہ اس میں کسی خلل اور نقص کا امکان باقی نہیں ہے، جس طرح مضبوط بناء کے لئے کہا جاتا ہے کہ البناء المحکم

(۲) الاحکام سے مراد بگاڑ اور فساد سے روکنا اور بچانا ہوتا ہے۔ پھر احکمت آیات کا معنی ہوگا کہ اس کتاب کی آیات ایسی مضبوط اور محکم ہیں کہ ان کو منسوخ کرنے والی کوئی کتاب نہیں ہے۔ مقدمہ میں خاص مسئلہ نسخ کے بیان کے لئے ب ۱۰ ف ۱۲ رکھا گیا ہے اور وہاں پر وضاحت کی گئی ہے کہ قرآن مجید کی ساری آیات نسخ سے محفوظ ہیں بلکہ ساری آیات محکم ہیں۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ نسخ تعارض کی فرع ہے۔ جب تک دو دلیلوں میں تعارض نہیں ہے تب تک ان میں ناسخ و منسوخ کا باب بند ہے۔ قرآن کریم کی شان اس سے اعلیٰ ہے کہ اس کی کسی دو آیات کے درمیان ایسا تعارض ہو جو رفع نہ ہوسکے۔ ماشاء اللہ

اس لئے مذکورہ فصل کے اندر آپ کو اس کی تفصیل ملے گی کہ ساری آیات پر عمل کے بہترین اسباب موجود ہیں لہٰذا نسخ کا کوئی احتمال نہیں ہوسکتا اور جو علماء بعض آیات کے نسخ کے قائل ہیں، وہ بھی کہتے ہیں کہ چند آیات کے علاوہ ساری آیات محکم ہیں۔ اس لئے اکثر کو کل کا نام دے کر کہا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید سارا محکم ہے۔

(۳) زمخشری کشاف (ج ۲ ص ۳۴۷) میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد حکمت بھی ہوسکتی ہے اور حکم کو ہمزہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یعنی یہ آیات حکمت والی ہے۔ جس طرح دوسری جگہ ہے: ﴿ تِلْكَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ﴾ (یونس:۱)

(۴) اس کی آیات اپنے احکام کے اندر محکم اور نہ تبدیل ہونے والی ہیں۔ مثلاً اس کتاب

میں خاص احکام بیان ہوئے ہیں۔ جیسے توحید، عدل وانصاف، نبوت، آخرت میں دوبارہ اٹھنا، ان کاموں پر قرآن کریم نے زیادہ زور دیا ہے اوران باتوں میں کسی نسخ کا احتمال نہیں ہے لہٰذا اس کی آیات انتہائی محکم ہیں۔ دوسرا یہ کہ اس کی آیات میں کوئی تعارض وتناقض نہیں ہے۔ پھر جب اس کی آیات اس طرح کے تناقض سے محفوظ ہیں تو یہ ہمیشہ کے لئے محکم سمجھی جائیں گی۔ تیسرا یہ کہ الفاظ قرآن کے اندر ایسی بلاغت وفصاحت اور روانی ہے کہ ان میں کسی معارضہ کا دخل نہیں ہے، جس سے اس کی آیات کے قوی اور محکم ہونے کا پتا چلتا ہے۔
چوتھا یہ کہ دینی علوم دو قسم پر ہیں: (۱) نظری (۲) عملی۔ نظری جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو پہچاننا، اسی طرح ملائکہ، کتب ورسل علیہم السلام اور قیامت کے دن کی معرفت، ان علوم کو قرآن کریم میں نہایت بہترین اوراعلیٰ طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔
دوسرا عملی یعنی دین کی سمجھ، ظاہری اعمال، باطنی تقویٰ اور نفس کی پاکیزگی۔
ان ساری باتوں کو جس طرح قرآن مجید نے بیان کیا ہے، اس طرح پورے عالم میں ایسی کوئی کتاب نہیں ہے جو اس کے برابر ہوسکے۔ (الرازی ج ۷ اص ۷ ۱۸ مع التشریح) ''
شاہ صاحب رحمہ اللہ مذکورہ آیت کے لفظ ''فُصِّلَتْ'' کے تحت نقل کرتے ہیں: ''زمخشری کشاف (ص ۷۷ ۳ ج ۲) میں کہتے ہیں کہ ''اس (کتاب کریم) کی آیات توحید کے دلائل، احکام، وعظ ونصیحت اور واقعات کے ساتھ اس طرح بالتفصیل بیان ہوئی ہیں جس طرح کسی ہار میں موتی (ہیرے جواہر) جڑے ہوئے ہوں۔ فصل سے مراد جدائی ہے یعنی اس کی سورتیں اور آیات جدا جدا بیان کی گئی ہیں یا یہ معنی ہوسکتا ہے کہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے نہ کہ مجموعی (اکٹھا) یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی آیات میں بندوں کے لئے وہ احکام بیان کئے گئے ہیں جن کی انہیں ضرورت وحاجت ہے۔ (بدیع التفاسیر ج ۱۰ ص ۲۳۲)
سورۂ توبہ کی آیت ﴿ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا ﴾ (۹۶۔۹۸) کے ربط میں تفسیر مھائمی سے نقل کرتے ہیں کہ دوسرے منافقین کے لئے وحی نازل ہوتی رہی، مگر اَعراب (بدو، دیہاتیوں) کے متعلق فرمایا ہے کہ اگرچہ ان کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا مگر

آپ ان پر کسی قسم کا بھروسا نہ کریں کیونکہ وہ اپنے جہل کی وجہ سے ان (شہری منافقین) سے بھی بڑھ کر نفاق اور کفر رکھتے ہیں۔ ان کے جہل کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حدود واحکام نازل ہوتے ہیں جن پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور خلوص کا سبب ہے اسے نفاق کا سبب بتاتے ہیں، جو فی سبیل اللہ خرچ کرنا پڑتا ہے اسے تاوان سمجھتے ہیں، مسلمانوں کی ہلاکت اور بربادی کا انتظار کرتے ہیں، یہ سب کچھ ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ہے جن کو ایمان نصیب ہے وہ اس کے برعکس ہیں۔

معزز قارئین! اس کے علاوہ مصنف بدیع التفاسیر علامہ رشید رضا مصری کی تفسیر المنار سے بھی جگہ جگہ علمی نکات نقل کرتے ہیں مثلاً سورۂ ہود کی ابتدا میں اس سورت کے مضامین کا خلاصہ ۲۴ صفحات میں، سورۂ انفال کی ابتدا میں ۱۲ صفحات اور سورۂ توبہ کی ابتدا میں ۲۰ صفحات کا خلاصۂ مضامین نقل کیا ہے۔ اسی طرح سورۂ مائدہ، سورۂ انعام، سورۂ اعراف وغیرہ کا خلاصہ بھی المنار سے نقل کیا ہے۔

خود شاہ صاحب رحمہ اللہ آیات واجزاء اور مفردات کی تفسیر بالمأثور کے ساتھ مذکورہ بالا انداز سے تفسیر کرتے ہیں۔ بلکہ سورۂ مائدہ کے بعد تفسیر میں یہ انداز غالب ہے جس میں جلد: ۱۰ بطور خاص ہے۔

مفردات کی لغوی شرح

ان شاء اللہ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ (ص ۲۰ نمبر ۵) اس میں حل وشرح کے ساتھ مختلف مسائل پر استدلال، فائدہ اور فصل کی صورت میں بیان کرتے ہیں۔

تفسیر میں مستقل سلاسل ومباحث

(۱) ترجمہ: خود مصنف کی تحریر کے اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ترجمہ ''معانی القرآن'' شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے ترجمہ کی طرز پر ہے۔ جناب شاہ صاحب کا ترجمۂ قرآن ترجمہ آیات کے متعلق ان کے زیر خیالات، مذہب، مستدل علیہ احکام ومسائل پر ذاتی نظریے کا اثبات کرتا ہے۔ یوں نہیں کہ ترجمہ ایک طرف اور شرح، استدلال واستنباط

اور تفسیر دوسری طرف۔

(۲) تشریح: ترجمہ کے بعد مذکورہ آیات کی جامع تشریح کرتے ہیں۔ اس تشریح کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مضامینِ قرآن پر شاہ صاحب رحمہ اللہ کی نہایت گہری نظر تھی اور اللہ تعالیٰ نے انھیں قرآن فہمی کے نہایت ہی بلند درجہ پر فائز کیا تھا۔ مثلاً:

سورۂ آل عمران کی آیت ﴿ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ (۷۹، ۸۰)

اس کی تشریح یوں کرتے ہیں: ''یعنی وہ (یہودی) اپنے غلط طریقے کو تسلیم کروانے کے لئے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام علیہم السلام اور اپنے نیک لوگوں پر بھی جھوٹ بولتے ہیں۔ جس طرح یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا اور کہتے ہیں کہ ہمیں اپنے انبیاء کرام نے ہی یہ تعلیم دی ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جو عام شرکیہ رسوم میں مبتلا ہیں، وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے یہ کام کئے ہیں اور ہمیں سکھلائے ہیں۔ حالانکہ یہ سارا جھوٹ اور ان کا بنایا ہوا قصہ ہے کیونکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں، فرشتوں، انبیاء کرام اور اولیاء کرام کی شان کے لائق ہی نہیں کہ وہ اپنی عبادت کروائیں یا اس کا حکم دیں یا ایسی بات پر راضی ہوں۔

چنانچہ فرشتوں کے متعلق حکم ہے ﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴾ (سبا: ۴۰، ۴۱)

جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آیا ہے ﴿ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ

وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴾(المائدہ:۱۱۶)

دوسرے نیک بندوں کے متعلق بھی آیا ہے کہ﴿ وَیَوْمَ یَحْشُرُھُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَقُوْلُ ءَ اَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ ھٰٓؤُلَآءِ اَمْ ھُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ ۞ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ یَنْۢبَغِیْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِیَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَھُمْ وَاٰبَآءَ ھُمْ حَتّٰی نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴾ (الفرقان:۱۷،۱۸)

الغرض جس کو بھی اللہ تعالیٰ کتاب کا علم دے یا کتاب دے کر اسے نبی بنائے، اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے علم کی قوت سے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا شدہ بینائی اور نورِ بصیرت کے مطابق دین کی اشاعت اور توحید کی تبلیغ کو عام کرے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ حکومت و بادشاہی سے سرفراز کرے (یعنی عطا فرمائے)، تو اس کا بھی یہی مقصد ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوت سے شرک کے آستانوں (مراکز) کو مٹا دے اور شرکیہ رسوم کو ختم کر دے۔ رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی کو دیکھنا چاہئے، اگرچہ آپ کو حکومت نہیں ملی تھی لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کے تحت توحید کی دعوت دیتے رہے اور شرک کی تردید کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کو (لوگوں کے) دلوں میں بٹھانے اور معبودانِ باطلہ کی ہیئت کو ختم کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت و حکومت عطا کی اور بالآخر مکہ معظمہ کو فتح کر لیا گیا جسے فتح مبین سے یاد کیا جاتا ہے تو اس کے فوراً بعد (آپ ﷺ نے) مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف درگاہوں (اَوثان) اور آستانوں (یعنی شرک کے اڈوں) کی طرف بھیجا جن کی عبادت کی جاتی تھی، انھیں مسمار کر دیا گیا۔ غرض انسان اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے، اس کے پاس جو بھی قوت ہے، مالی ہو خواہ علمی یا قوتِ بازو، ہر قسم کی قوت اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ اس لئے اسے یہ قوت اللہ تعالیٰ کی توحید اور شریعت کو عام کرنے کے لئے صرف کرنی چاہئے۔ اور اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے اور نہ اسے یہ حق حاصل ہے کہ اس عہدہ (حیثیت) کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں کو اپنا غلام بنائے یا ان سے اپنی عبادت کروائے یا خود کو رب یا مشکل کشا وغیرہ کہلوانا شروع کر دے۔ بلکہ اس کی تربیت

یہی ہونی چاہئے کہ سب کا رب فقط ایک ہے جو کہ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ہے۔اسی کی بندگی وغلامی اوراس کی نازل کردہ شریعت کی اتباع کی جائے۔ فرشتے، نبی، اولیاء سب اس کے بندے ہیں۔﴿بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ﴾ (الانبیاء:۲۶)

لٰہذا بندوں کی عبادت سراسر کفر ہے جو درگاہیں اور مزارات پوجے جارہے ہیں وہ کسی نبی یا اللہ کے کسی نیک بندے کے امر یا ترغیب سے نہیں بنائے گئے بلکہ یا تو کچھ بادشاہوں (حکمرانوں) نے اپنی رعیت (یعنی عوام) جن کی اکثریت مشرکین (والمبتدعین) اور غیر اللہ کے پجاریوں کی ہے، ان کے اندر اپنی مقبولیت (وشہرت پیدا کرنے) کی خاطر اور عوام کی چاہت کی باگ کو اپنی طرف موڑنے کے لئے بنائی ہیں۔ یا کچھ لادین لوگوں نے اپنی کمائی کی خاطر یہ اڈے بنائے ہیں، یا وہ لوگ جو بڑے مجرم، ظالم اور خطرناک مقدمات کے اندر حکومت کو مطلوب ہیں انھوں نے اپنے دفاع اور تحفظ کے لئے بھیس بدل کر درگاہیں بنالی ہیں اور مجاور بن کر بیٹھ گئے ہیں۔اس لئے اسے اچھا کام نہیں سمجھنا چاہئے اور نہ ہی ایسی کفر و ضلالت کی تعلیم اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی، یا نیک بندہ، ولی یا عالم باعمل یا حاکمِ عادل باشرع کبھی دے سکتا ہے۔مسلمانوں کو گمراہ کرنا اور کفر کی دعوت دینا خود کفار ہی کا کام ہے نہ کہ مسلمانوں کا، اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت کی توفیق عطا فرمائے۔الغرض یہودیوں نے اپنے اس غلط اور شرکیہ طریقے کو انبیاء کرام کی طرف منسوب کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں رد کیا ہے اور انھیں (یہودیوں کو) جھوٹا قرار دیا ہے۔

(۳) شانِ نزول: زیرِ تفسیر آیات کا شانِ نزول بیان کرتے ہیں لیکن بعض آیات کا شانِ نزول نہیں ملتا جس طرح مکی سورتوں اور آیات کا شانِ نزول بہت ہی کم روایت کیا گیا ہے۔ شانِ نزول اکثر علامہ سیوطی کی کتاب ''الدر المنثور'' سے نقل کرتے ہیں البتہ بعض دفعہ دیگر تفاسیر سے بھی نقل کرتے ہیں۔تفسیر کے دیگر مقامات کی طرح شانِ نزول کے لئے بھی شاہ صاحب وہ روایات پیش کرتے ہیں جو کہ ان کے نزدیک صحیح وحسن ہیں۔بعض دفعہ وہ شانِ نزول کے متعلق وارد بعض احادیث کے ضعف ووضع کی طرف بھی اشارہ کردیتے ہیں۔

جہاں شانِ نزول کے لئے کوئی روایت نہیں ملتی وہاں بیان کر دیتے ہیں کہ اس سلسلے میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے بعض دفعہ ذکر کئے بغیر ہی آگے گزر جاتے ہیں۔ شان نزول ان کے نزدیک تخصیص کے لئے نہیں بلکہ توضیح کے لئے ہے۔ (ج ۹۱/۲)

(۴) ربط: شاہ صاحب رحمہ اللہ آیات کے ترجمہ کے بعد تشریح کی ابتدا ہی اس طرح کرتے ہیں کہ ان آیات کا سابقہ آیات کے ساتھ ربط بیان ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ شانِ نزول کے بیان کے بعد ان آیات کا ربط سابقہ آیات کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

یہ ربط اکثر جیسا کہ آپ کی تحریر کے اقتباس سے معلوم ہوتا ہے آپ علامہ ابو الحسن البقاعی کی کتاب ''نظم الدرر في تناسب الآيات والسور'' سے لیتے ہیں، اس کے علاوہ اپنی تحقیق بھی پیش کرتے ہیں اور بعض دفعہ دوسری کتابوں کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔

(۵) مشکل الفاظ کی لغوی تشریح: یہ سلسلہ ان کی تفسیر کا نہایت اہم باب ہے۔ جو لفظ پہلی مرتبہ آتا ہے اس کے اصل و فروع کی لغوی توضیح کر دیتے ہیں پھر جہاں بھی اس مادہ کا لفظ آتا ہے وہاں اشارہ کر دیتے ہیں کہ اس کا معنی فلاں سورت کے رکوع نمبر فلاں کے اندر گذر چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بدیع التفاسیر کی ابتدائی سورتوں کی تفسیر میں لغوی شرح کی وجہ سے جو طوالت پائی جاتی ہے وہ طوالت آخری جلدوں میں نہیں پائی جاتی۔ سید شاہ صاحب رحمہ اللہ مشکل الفاظ کی شرح کے لئے جہاں لغتِ عربیہ کی کتب کی طرف رجوع کرتے ہیں وہاں اس کا شرعی معنی بیان کرنے کے لئے مختلف تفاسیر کی طرف بھی رجوع کرتے ہیں اور سلف صالحین سے زیر حل لفظ کا معنی نقل کرتے ہیں۔ مثلاً آیت ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ .. ﴾ إلخ کے لفظ ''مرضٌ'' کی لغوی تشریح اس طرح کرتے ہیں ''بإجماع جميع قراء ''را'' پر زبر (فتحہ) پڑھی گئی ہے۔ صرف اصمعی نے ابو عمرو سے نقل کیا ہے کہ اس نے جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔ (الشوکانی ج ۱ ص ۳۰) اور مرض بمعنی السقم یعنی بیماری جو کہ صحت کے مقابلہ میں ہوتی ہے، انسان یا حیوان کو درپیش آتی ہے اور یہ اسم جنس ہے جو کہ قلیل و کثیر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ بقول استاذ سیبویہ (نحوی) کے یہ بھی (ان) مجموعی مصادر میں

سے ہے جیسے الشغل، العقل۔

عرب ان کی جمع امراض، اشغال اور عقول وغیرہ (کے اوزان پر) بولتے ہیں۔ ان کی گردان اس طرح ہے ''مرض فلان مَرَضًا ومَرْضًا فھو مارض ومَرِض و مریض'' اور مؤنث کا صیغہ مریضہ ہے۔'' أمرضته أي وجدته مریضًا ''یعنی میں نے اسے مریض پایا۔ المراض یعنی بہت اور بار بار بیمار (رہنے والا) التمارض اس حالت میں کہا جاتا ہے جب خود کو بیمار ظاہر کرے لیکن (درحقیقت) بیمار نہ ہو۔'' أمرض الرجل جعله مریضًا ''یعنی اسے بیمار بنا دیا۔ مرّضه تمریضًا یعنی اس کی (دوران بیماری میں) خدمت کی اور علاج کے لئے کوشش کی اور تیمارداری کی۔ (لسان العرب ج ۷ ص ۲۳۱)

اور ''المرَض'' بالفتح یعنی را کی زبر سے، قلب (کے عوارض) کے لئے خاص طور پر استعمال ہوتا ہے بعض شک، نفاق، فتویٰ، اندھیرا اور نقصان (ترتیب القاموس ج ۴ ص ۲۳۰)

فی قلوبھم خبر مقدم ہے اور تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ یعنی خاص طرح ان کے دل بیمار ہیں۔ شک، نفاق اور اندھیرے سے بھرے ہوئے ہیں اور دل کے بیمار ہونے سے سارے اعضاء بیمار ہو جاتے ہیں، جیسا کہ اوپر حدیث گزری ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دل تندرست ہوگا تو سارا جسم تندرست ہوگا اور اگر دل بیمار ہوگا تو سارا جسم بیمار ہوگا۔ سو جب ان کے دل ایمان اور تصدیق سے انکاری ہیں تو ان کے سارے اعضاء بھی عمل سے انکاری ہیں۔ سلف صالحین سے مرض کی بابت (کچھ) معانی منقول ہیں۔ چنانچہ ابن عباس، ابن مسعود اور دوسرے کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کا معنی شک کرتے ہیں۔ اسی طرح کئی تابعین کرام مثلاً مجاہد، حسن بصری، ابو العالیہ، ربیع بن انس اور قتادہ رحمہم اللہ کہتے ہیں۔ عکرمہ اور طاؤس اس کا معنی ریاء کرتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کے مطابق اس کا معنی منافقت ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم (مشہور ضعیف راوی) کہتے ہیں:

''ھذا مرض فی الدین ولیس مرضًا فی الأجساد وھم المنافقون والمرض

الشك الذي دخلهم فى الإسلام فزادهم الله مرضًا قال زادهم رجسًا . ''

(ابن کثیر ج ۱ ص ۱۶۷)

یعنی یہاں پر جسمانی بیماری نہیں بلکہ دینی بیماری مراد ہے، مرض بمعنی شک ہے۔ منافق لوگ مان کر اور تسلیم کر کے اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ شک کے ساتھ داخل ہوئے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری اور نجاست کو بڑھا دیا۔ یہ اقوال ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہیں کیونکہ منافقین کا کوئی بھی عمل ایمان اور یقین کے ساتھ نہیں ہوتا۔ صرف شک یا دکھلاوے کے لئے ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے اپنا دفاع کرنا چاہتے ہیں۔ (ج ۲ ص ۱۰۳۔۱۰۴)

محترم شاہ صاحب رحمہ اللہ لغوی شرح کے دوران میں زیرِ حل الفاظ سے رد و اثبات کا کام بھی لیتے ہیں جس کی مثالیں بدیع التفاسیر میں جا بجا ملتی ہیں۔

(۶) اسلام دشمن مصنفین کے قرآن مجید پر اعتراضات اور ان کے جوابات:

اس سلسلے میں مصنف بدیع التفاسیر نے آریہ ہندو فرقہ کے ''سوامی دیانند کی کتاب ''ستیارتھ پرکاش'' میں قرآن مجید کی مختلف آیات پر کئے گئے اعتراضات کے مفصل جوابات دیئے ہیں۔ شاہ صاحب نے ان جوابات کے لئے اپنے استاذ علامہ ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی کتاب ''حق پرکاش'' سے بھی استفادہ کیا ہے لیکن یہاں ان کا خاص اپنا انداز ہے جو کہ قابلِ داد ہے۔

(۷) ہر سورت سے پہلے مختصر خطبہ جو کہ سندھی زبان میں ہے۔ اس کے بعد سورت کے اسماء، ربط، شانِ نزول اور سورت کے مضامین کا جامع خلاصہ بیان کیا ہے۔

طریقۂ تفسیر کے متعلق خود مفسر رحمہ اللہ کی وضاحت

(۱) محترم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود بیان کرتے ہیں:

''سب سے پہلے ایک یا اس سے زیادہ آیات کا سلیس و عام (فہم) ترجمہ کیا جائے گا، اس کے لئے شیخ الاسلام استاذ ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی اردو تفسیر ''تفسیر ثنائی''

سامنے ہوگی کیونکہ راقم الحروف کی نظر میں اس جیسا سہل، دلنشین اور جامع و مانع ترجمہ کوئی اور نہیں ہے۔'' موصوف مضمون کو مربوط اور واضح کرنے کے لئے ترجمہ کے ساتھ ساتھ نہایت مختصر تشریح کرتے ہیں اور اصل ترجمہ کو خط کشید کر کے الگ ظاہر کرتے ہیں۔ نیز لکھتے ہیں: ''یہی طریقہ عوام الناس کے لئے مفید رہے گا اور اہلِ علم کے لئے بھی اسی میں فائدہ ہے۔

(۲) آیات کا شان نزول بیان کیا جائے گا اور صرف صحیح روایات پر اکتفا کیا جائے گا۔

(۳) تفسیر و توضیح کے لئے آیات و احادیث پھر آثار صحابہ و تابعین کو بھی شہادت و مزید وضاحت کے لئے پیش کیا جائے گا مگر صرف وہ اقوال جو پایۂ ثبوت کو پہنچے ہوں۔ سب سے پہلے مجاہد بن جبر مکی تابعی اور امام سفیان ثوری تبع تابعی کی تفسیر نیز ابن جریر الطبری کی تفسیر جامع البیان جس کے متعلق امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں: ''**قد نظرت فیه من أوله إلٰی آخره وما أعلم علٰی أدیم الأرض أعلم من محمد بن جریر**'' (طبقات المفسرین للداودی ص ۱۱۱ ج ۲ [تاریخ دمشق لابن عساکر ۵۵/ ۱۴۷، وسندہ صحیح، تاریخ بغداد ۲/ ۱۶۴]) یعنی میں نے اول سے آخر تک اس تفسیر کا مطالعہ کیا ہے اور (میرے علم کے مطابق) روئے زمین پر ابن جریر سے بڑا کوئی عالم نہیں۔ نیز تفسیر ابن کثیر میں عبد بن حمید، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور متقدمین میں سے آدم بن ابی ایاس، ورقاء اور وکیع وغیرہم کی تفاسیر سے باسناد روایات منقول ہیں، ان سے بھی انتخاب کیا جائے گا اور سیوطی کی ''الدر المنثور'' اور قاضی شوکانی کی ''فتح القدیر'' جو کہ احادیث و آثار سے پُر ہیں، ان سے بھی جابجا تائید لی جائے گی۔

علامہ فیروز آبادی کی (روایت کردہ) جو تفسیر ابن عباس، تنویر المقباس کے نام سے منقول کی ہے اس کی سند معتبر طرق سے ثابت نہیں ہے اور پھر اس کی اسناد پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ ائمۂ دین، محدثین کرام مثلاً بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ابی شیبہ، حاکم وغیرہ جنھوں نے اپنی کتب میں تفسیر کے لئے مستقل ابواب رکھے ہیں ان کی ذکر کردہ احادیث و آثار و اقوال کو اولین درجہ حاصل ہے۔ اسی طرح ابن حجر کی المطالب العالیہ بزوائد المسانید

الثمانیۃ اور ہیثمی کی کتاب مجمع الزوائد ومنبع الفوائد اور موارد الظمآن الیٰ زوائد ابن حبان وغیرہ کتب سے بھی اس باب میں کافی رہنمائی ملے گی۔

(۴) مشکل الفاظ کے حل کے لئے لغت وادب کی کتب کو سامنے رکھ کر ان کا معنی اور حسبِ ضرورت اشتقاق بیان کیا جائے گا۔

(۵) بقدرِ ضرورت بعض جملوں کی نحوی ترکیب اور اعراب نیز قواعد کے اعتبار سے جو بعض مقام محتاجِ حل ہیں، ان کے لئے نحو وصرف کی کتب سے مدد لی جائے گی۔

(۶) قرآنی مضامین کی فصاحت و بلاغت کو بیان کرنے کے لئے علم معانی اور بدیع کی ضرورت پیش آتی رہے گی۔

(۷) آیات وسور کے ربط وتعلق سے متعلق مستقل کتب تحریر کی گئی ہیں جن میں سے علامہ برہان الدین ابوالحسن البقاعی کی کتاب ''نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور'' بے مثل ہے، اسی طرح دیگر کتب سے بھی مدد لی جائے گی۔

(۸) قرآن مجید سے احکام اور مسائل کا استنباط تفسیر کا اہم باب ہے، اس سے متعلق متقدمین ومتاخرین علماء کرام نے کئی کتابیں لکھی ہیں ان میں سے امام قرطبی کی تفسیر الجامع لاحکام القرآن نہایت جامع ہے اور بھی کئی مفید کتابیں ہیں جن کے جابجا حوالے آئیں گے۔

(۹) قرآن مجید میں گذشتہ اقوام کے قصے مذکور ہیں ان کے متعلق صحیح اور ثابت روایات پر اکتفا کیا جائے گا۔ اسرائیلی روایات اور زبان زدِ عام قصوں سے اجتناب کیا جائے گا بلکہ ان کے غیر صحیح ہونے کے لئے روایۃً یا درایۃً نشاندہی کی جائے گی۔

(۱۰) دشمنان دین کی طرف سے بعض آیات پر وارد کردہ اشکالات کے حل اور اعتراض کا شافی جواب دینے کی کوشش کی جائے گی۔

(۱۱) بعض گروہ اپنے باطل عقائد کے لئے قرآن سے غلط استدلال کرتے ہیں، ان کی حقیقت آشکارا کی جائے گی۔ ان شاء اللہ'' (بدیع التفاسیر ج ا ص ۲۔۴)

(باقی آئندہ شمارے میں ان شاء اللہ)

ابوالحسن مبشر احمد ربانی

قسطوں کا کاروبار شریعت کی نظر میں

حرام امور کی مذمت

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يأتي على الناس زمان لا يبالي المرء ما أخذ منه أمن الحلال أم من الحرام ؟))

لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی کو جو چیز بھی مل جائے، وہ اسے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اور یہ نہ دیکھے گا کہ وہ حلال ہے یا حرام؟ [یعنی حلال وحرام کی تمیز ختم ہو جائے گی۔] (صحیح بخاری:۲۰۵۹)

دوسری حدیث میں ہے:

((بادروا بالأعمال فتناً كقطع الليل المظلم ، يصبح الرجل مؤمناً و يمسي كافرًا ، أو يمسي مؤمناً ويصبح كافرًا، يبيع دينه بعرض من الدنيا .))

ان فتنوں کے پیش آنے سے پہلے (نیک) اعمال میں جلدی کرو جو تاریک رات کی ٹکڑیوں کی مانند ہوں گے (کہ اس وقت) آدمی صبح کو ایمان کی حالت میں ہوگا تو شام کو کافر ہو جائے گا یا شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر ہو جائے گا (اور اس کی وجہ یہ ہوگی کہ) وہ اپنے دین کو دنیا کی تھوڑی سی متاع کی خاطر بیچ ڈالے گا۔ (صحیح مسلم:۱۱۸، دارالسلام:۳۱۳)

نیز حرام کھانے والے کے لئے سخت وعید بھی بیان فرمائی:

((لا يدخل الجنة لحم نبت من سحت ، النار أولى به .))

وہ گوشت جس نے حرام سے پرورش پائی، جنت میں داخل نہیں ہوگا (اور جس گوشت نے حرام سے نشو ونما پائی ہو) اس کے لئے جہنم کی آگ ہی اولیٰ ہے۔ (احمد ۳/۳۲۱، ۲۹۹، وھو حدیث حسن، الموسوعۃ الحدیثیۃ ۲۲/۳۳۲، وصححہ ابن حبان، الموارد:۱۵۶۹، والحاکم ۴/۴۲۲ ووافقہ الذہبی)

[تنبیہ: عبدالرحمٰن بن سابط کا سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے، دیکھئے الجرح والتعدیل

(۵/۲۴۰ ت ۱۱۳۷) لہٰذا اس روایت کی سند حسن ہے۔]

اور دوسری روایت میں ہے کہ (حرام خور طویل سفر طے کرتا ہے اور) آسمان کی طرف اپنے ہاتھوں کو بلند کر کے کہتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! جبکہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا پہننا حرام اور حرام ہی سے اس نے پرورش پائی تو پھر اس کی دعا کیونکر قبول ہو؟ (صحیح مسلم: ۱۰۱۵، دارالسلام: ۲۳۴۶)

اس پرفتن دور میں حلال و حرام کا فرق اب ختم ہوتا چلا جا رہا ہے اور لوگ مختلف طریقوں سے حرام خوری میں مبتلا ہوتے جا رہے ہیں۔

سود کی حرمت

حرام کاموں میں سب سے بڑا حرام کام سود ہے جس نے عالمگیر شکل اختیار کر لی ہے اور یہ چیز بینکوں کی شکل میں امتِ مسلمہ پر مسلط ہو چکی ہے حالانکہ سود کے متعلق اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ج﴾

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور (اصل رقم کے علاوہ) وہ حصہ چھوڑ دو جو باقی بچ جائے سود سے، اگر تم واقعی مومن ہو۔ پس اگر (سود سے) باز نہ آؤ گے تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ (البقرۃ: ۲۷۹)

اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربا وموکلہ و کاتبہ و شاہدیہ وقال: ((ھم سواء))

رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے لکھنے والے اور اس کے دو گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا: یہ (گناہ میں) برابر (کے شریک) ہیں۔

(صحیح مسلم: ۱۵۹۸، دارالسلام: ۴۰۹۳)

نیز سیدنا عبداللہ بن حنظلہ غسیلِ ملائکہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سود کا ایک درہم جس کو آدمی جان بوجھ کر کھائے چھتیس زنا سے زیادہ گناہ رکھتا ہے۔

(مسند احمد ۲۲۵/۵ وسندہ حسن، سنن دارقطنی ۱۶/۳ ح ۲۸۱۹)

[تنبیہ: اس کی سند حسن ہے۔ حافظ بزار کا یہ فرمانا: ''وقد رواہ بعضھم عن ابن أبي ملیکۃ عن رجل عن عبداللہ بن حنظلۃ'' بلا دلیل ہے لہٰذا اس قول کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔]

تجارت میں سود

تجارت میں قرض کی صورت میں بھی سود وصول کیا جاتا ہے، جس کی ایک صورت یہ ہے کہ آسان اقساط پر چیزیں فروخت کی جاتی ہیں۔ یہی اشیاء جب نقد خریدی جائیں تو ان کی قیمت کم ہوتی ہے لیکن ادھار اور آسان اقساط کی صورت میں ان کی قیمت بڑھ جاتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾

اور اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ (البقرۃ: ۲۷۵)

عصرِ حاضر میں قسطوں والا کاروبار عروج پر ہے اور لوگ آسان اقساط پر مختلف اشیاء مثلاً پنکھے، واشنگ مشینیں، فریج، ٹی وی اور گاڑیاں وغیرہ خریدتے ہیں اور ان چیزوں کی نقد اور ادھار قیمتوں میں کافی فرق ہوتا ہے ایک چیز اگر نقد دس ہزار روپے میں ملتی ہے تو قسطوں کی صورت میں بارہ ہزار روپے کی ہے، اب یہ دو ہزار روپے جو اس کی قرض رقم کے ساتھ وصول کئے جارہے ہیں، ان کی حیثیت شرعی اعتبار سے کیا ہوگی؟ ظاہر ہے یہ کھلا سود ہے۔

اس مسئلہ کو یوں سمجھ لیں کہ کوئی آدمی کسی کمپنی یا دکان سے دس ہزار روپے اس شرط پر قرض لیتا ہے کہ وہ یہ قرض رقم دس ہزار کے بجائے بارہ ہزار روپے آسان قسطوں میں ادا کرے گا، ظاہر بات ہے کہ یہ سود ہے۔ اسی طرح دوسرا شخص دس ہزار روپے قرض لینے کے بجائے دس ہزار روپے کی کوئی چیز اس صورت میں خریدتا ہے کہ وہ اس چیز کے بارہ ہزار روپے آسان قسطوں میں بطورِ قرض ادا کرے گا، ظاہر بات ہے کہ اس شخص کے ذمے تو دس ہزار روپے ہی واجب تھے لیکن قرض لینے کی وجہ سے اس کی اصل رقم میں دو ہزار روپے مزید اضافہ کر دیا گیا ہے لہٰذا یہ بھی سود ہے۔ نبی ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((الربا فی النسیئة و في روایة قال :لا ربا فیما کان یدًا بید .))

سود ادھار میں ہوتا ہے اور ایک روایت میں ہے جو چیز نقد بیچی جائے اس میں سود نہیں ہے۔

(صحیح بخاری: ۲۱۷۸، ۲۱۷۹، صحیح مسلم: ۱۵۹۶، دارالسلام: ۴۰۸۸، ۴۰۸۹، ۴۰۹۰)

سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کل قرض جر منفعة فھو وجه من وجوه الربا''
ہر قرض جو نفع کھینچے وہ سود کی وجوہ میں سے ایک وجہ (قسم) ہے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۳۵۰/۵ وسندہ صحیح واخطأ من ضعفہ)

سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابو بردہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں مدینہ گیا تو (سیدنا) عبداللہ بن سلام (رضی اللہ عنہ) سے ملا۔ انھوں نے فرمایا: کیا تم (میرے پاس) نہیں آتے تاکہ میں تمھیں ستو اور کھجور کھلاؤں اور گھر میں داخل ہو جاؤ؟ پھر فرمایا: تم ایسے علاقے میں ہو جہاں سود پھیلا ہوا ہے، اگر تمھارا کسی آدمی پر کوئی حق (قرض) ہو پھر وہ تمھیں بھوسہ، جو یا (فضول) جنگلی دانوں والی گھاس تحفہ میں دے تو اسے نہ لینا کیونکہ یہ سود ہے۔

(صحیح بخاری: ۳۸۱۴)

ادھار کے بدلے زیادہ قیمت جائز نہیں

قسطوں کی صورت میں جو ادھار کے بدلے زیادہ قیمت ادا کی جاتی ہے، اس کے ناجائز ہونے کے درج ذیل دلائل ہیں:

۱۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''نھی رسول اللہ ﷺ عن بیعتین في بیعة''
رسول اللہ ﷺ نے ایک چیز کی دو قیمتیں مقرر کرنے سے منع کیا ہے۔

(ترمذی: ۱۲۳۱، واسنادہ حسن، نسائی: ۴۶۳۶، وصححہ ابن الجارود: ۶۰۰، وابن حبان: ۴۹۵۲)

۲۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان الفاظ سے بھی مرفوعاً مروی ہے:

((من باع بیعتین في بیعة فله أوکسھما أو الربا))

جو شخص کسی چیز کی دو قیمتیں مقرر کرے گا یا تو وہ کم قیمت لے گا یا پھر وہ سود ہوگا۔

(سنن ابی داود: ۳۴۶۱، واسنادہ حسن، وصححہ ابن حبان: ۱۱۱۰، والحاکم ۴۵/۲، ووافقہ الذہبی)

۳۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''**لا تحل صفقتان في صفقة و أن رسول الله ﷺ لعن آكل الربا و مو كله و شاهديه و كاتبه**''
ایک عقد (بیع) میں دو معاملے کرنا حلال نہیں ہے اور بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر، اسکے گواہوں پر اور اس کے لکھنے والے پر لعنت کی ہے۔

(مسند احمد ۱/۳۹۳، واسنادہ حسن، والموسوعۃ الحدیثیۃ ۶/۲۶۹، ۲۷۰)

''**لا تحل**'' کے الفاظ المعجم الاوسط (۲/۳۶۴) اور مجمع الزوائد (۴/۸۴) میں ہیں جبکہ مسند احمد میں ''**لا تصلح**'' ہے۔

۴۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''**لا تصلح الصفقتان فی الصفقة، أن يقول: هو بالنسيئة بكذا و كذا، وبالنقد بكذا و كذا**'' ایک عقد میں دو معاملے کرنا جائز نہیں ہے (اور ایک عقد میں دو معاملے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ) ایک شخص کہے کہ اگر تم نقد خریدو تو اتنے روپے میں اور اگر ادھار خریدو تو اتنے روپے میں۔

(مصنف عبدالرزاق ۸/۱۳۷ ح ۱۴۶۳۳، وسندہ حسن)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس وضاحت سے واضح ہو گیا کہ کسی چیز کی نقد اور ادھار کی صورت میں قیمت جدا جدا مقرر کرنا درست نہیں بلکہ ادھار کی صورت میں زیادہ وصول کی گئی قیمت سود ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ ''**صفقتان في صفقة ربا**'' ایک عقد میں دو معاملے کرنا سود ہے۔ (السنۃ للمروزی: ۱۹۱، وسندہ حسن)

راویانِ احادیث اور محدثین وفقہاء نے ان احادیث کی یہی وضاحت کی ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں:

۱۔ **قال عبدالوهاب يعني يقول: هو لك بنقد بعشرة و بنسيئة بعشرين.**
عبدالوہاب (بن عطاء) فرماتے ہیں: یعنی دکاندار یوں کہے: یہ چیز تیرے لئے نقد دس روپے میں اور ادھار بیس روپے میں ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۵/۳۴۳، السلسلۃ الصحیحۃ ۵/۴۲۰)

۲۔ علامہ ابن قتیبہ دینوری غریب الحدیث (۱/۱۸) میں فرماتے ہیں: ''ومن البیوع المنهي عنها .... شرطان في بيع ، وهو أن يشتري الرجل السلعة إلٰى شهرين بدينارين و إلٰى ثلاثة أشهر بثلاثة دنانير وهو بمعنى بيعتين في بيعة''
اور منع کردہ بیوع میں سے ....، ایک سودے میں دو شرطیں لگانا اور وہ یہ ہے کہ آدمی دو ماہ تک سودا فروخت کرے دو دیناروں میں اور تین ماہ تک تین دیناروں میں یہ معنیٰ ''بيعتين في بيعة'' کا ہے۔ (السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی ۵/۴۲۰ ح ۲۳۲۶)

۳۔ اور مسند احمد میں سماک بن حرب کا یہی قول ہے۔ (۱/۳۹۸)
سماک بن حرب معروف ثقہ وصدوق تابعی ہیں جنھوں نے اَسی (۸۰) صحابہ کرام کو پایا ہے اور اس حدیث کے راوی ہیں اور ان کی تفسیر وتوضیح اس مقام پر دوسرے لوگوں سے مقدم ہے۔ اس لئے کہ راویِ حدیث اپنی روایت کا مفہوم دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ جانتا ہے۔

۴۔ امام محمد بن نصر المروزی نے کتاب السنۃ (رقم: ۱۹۴، دوسرا نسخہ: ۲۰۵) میں اور امام عبدالرزاق نے المصنف (۸/۱۳۷، ح ۱۴۶۲۹) میں صحیح سند کے ساتھ قاضی شریح سے حرف بحرف ان کا قول اوپر ذکر کردہ حدیث کے مطابق نقل کیا ہے۔

۵۔ امام محمد بن سیرین سے ایوب (السختیانی) نقل کرتے ہیں:
''أنه كان يكره أن يقول :أبيعك بعشرة دنانير نقدًا أو بخمسة عشر إلٰى أجل''
وہ مکروہ سمجھتے تھے کہ آدمی یوں کہے: میں تمھیں نقد دس دینار میں اور ادھار پندرہ دینار میں فروخت کروں گا۔ (مصنف عبدالرزاق ۸/۱۳۶ ح ۱۴۶۳۰، وسندہ صحیح)

۶۔ امام طاؤس کہتے ہیں: ''إذا قال :هو بكذا و كذا إلٰى كذا و كذا، وبكذا وكذا إلٰى كذا و كذا فوقع البيع علٰى هذا فهو / بأقل الثمنين إلٰى أبعد الأجلين'' جب آدمی یوں کہے: فلاں چیز اتنی اتنی رقم کے ساتھ، اس اس طرح مدت تک اور اتنی اتنی رقم کے ساتھ، اس اس طرح مدت تک ہے تو بیع واقع ہو جائے گی اور اس کے لئے دو قیمتوں میں سے کم قیمت ہوگی اور دو مدتوں میں سے دور کی مدت ہوگی۔

(مصنف عبدالرزاق ۸/۱۳۶ ح ۱۴۶۳۱، وسندہ صحیح)

۷۔ امام نسائی نے باب ''**بیعتین في بیعة**'' کے تحت لکھا ہے:

''**وهو أن یقول :أبیعك هذه السلعة بمائة درهم نقدًا أو بمائتي درهم نسیئة**''

میں تمھیں یہ سودا نقد سو درہم میں اور ادھار دو سو درہم میں فروخت کرتا ہوں۔

(سنن النسائی قبل حدیث: ۴۶۳۶، ص ۶۳۷ مطبوعہ دار السلام)

۸۔ حافظ ابن حبان نے اپنی صحیح (۱۱/ ۳۴۷ رقم ۴۹۷۳) میں فرمایا ہے:

''**ذکر الزجر عن بیع الشيءً بمئة دینار نسیئة و بتسعین دینارًا نقدًا.**''

کسی چیز کو ادھار سو دینار میں اور نقد نوے دینار میں بیچنے پر زجر و توبیخ کا بیان۔

۹۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''**أن یقول :بعتك بألفین نسیئةً، بألف نقدًا فأیهما شئت أخذت به و هذا بیع فاسد .... وعلة النهي علی الأول عدم استقرار الثمن و لزوم الربا عند من یمنع بیع الشيءً بأکثر من سعر یومه لأجل النسیئة .**'' آدمی یوں کہے: میں تجھے یہ چیز دو ہزار میں ادھار بیچتا ہوں اور نقد ایک ہزار میں۔ تمھیں جس طرح پسند ہو لے لو تو بیع فاسد ہے اور اس سے منع کی علت یہ ہے کہ اس چیز کی قیمت مقرر نہیں کی گئی اور پھر اس میں سود ہے، اس شخص کے ہاں جو ادھار کی وجہ سے اس دن کے بھاؤ سے زیادہ قیمت لیتا ہے۔

(الام للشافعی/ مختصر المزنی ص ۸۸، سبل السلام، البیوع باب شروطہ وما نھی عنہ واللفظ لہ ص ۵۵۲ تحت ح: ۷۹۱)

۱۰۔ امام ترمذی فرماتے ہیں:

''**حدیث أبي هریرة حدیث حسن صحیح والعمل علیٰ هذا عند أهل العلم وقد فسر بعض أهل العلم قالوا :بیعتین في بیعة أن یقول :أبیعك هذا الثوب بنقد بعشرة و بنسیئة بعشرین .**''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اہلِ علم کا اس حدیث پر عمل ہے اور اس حدیث کی تفسیر میں بعض اہلِ علم نے کہا کہ ایک چیز میں دو بیعوں کا معنی یہ ہے کہ آدمی کہے: میں تجھے

یہ کپڑا نقد دس کا اور ادھار بیس کا بیچتا ہوں۔ (سنن الترمذی بعد حدیث: ۱۲۳۱)

۱۱۔ امام بغوی فرماتے ہیں: ''وقوله :ولا شرطان في بيع ، فهو أن يقول :بعتك هذا العبد بألف نقدًا أو بألفين نسيئة ، فمعناه معنى البيعتين في بيعة .''

نبی ﷺ کا فرمان : ایک سودے میں دو شرطیں جائز نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ یوں کہے: میں تجھے یہ غلام نقد ایک ہزار میں اور ادھار دو ہزار میں فروخت کرتا ہوں، اس کا معنی ''البيعتين في بيعة'' کا معنی ہے۔ [یعنی اس حدیث کا یہی مفہوم ہے۔]

(شرح السنۃ ۸/۱۴۵ ح ۲۱۱۲)

مذکورہ بالا ائمۂ محدثین کی توضیحات سے واضح ہو گیا کہ نقد اور ادھار کے فرق پر بیع کرنا درست نہیں اور ادھار کی وجہ سے جو قیمت زائد لگائی جاتی ہے، وہ سود کے زمرے میں آتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان: ((فله أو كسهما أو الربا)) کے مطابق واضح سود ہے۔ اور اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

شبہات کا ازالہ

پہلا شبہ: جو علماء قسطوں والی مروجہ بیع کو جائز کہتے ہیں، انھوں نے اس حدیث کی یہ توجیہ کی ہے کہ اس میں ممانعت کا سبب اور علت قیمت کا مجہول ہونا ہے اور وہ اس طرح ہے کہ جب بائع (بیچنے والا) کہے: یہ چیز نقد سو روپے میں اور ادھار ڈیڑھ سو روپے میں ہے اور خریدار کہے کہ مجھے منظور ہے اور یہ طے نہ ہو کہ سو روپیہ ادا کرنا ہے یا ڈیڑھ سو روپے، لہٰذا جب طے ہو گیا تو قیمت مجہول نہ رہی اور خریدار نے واضح کر دیا کہ وہ نقد لے گا یا ادھار۔

ازالہ: یہ قول کئی وجہ سے باطل ہے:

۱۔ اس جگہ بیع میں جہالت کا ہونا مضر نہیں ہے کیونکہ خریدار اور بائع با اختیار ہیں اور وہ دونوں ہی اگر دو قیمتوں میں سے ایک قیمت کا یقین کیے بغیر جدا ہو جائیں اور بائع خریدار کو بعد میں ملے اور خریدار سے کہہ دے کہ مجھے ادھار منظور ہے اور وہ نقد پیسے اسے دے دے اس صورت میں کوئی ایسی جہالت نہیں پائی جاتی جو بیع کی صحت کے لئے مضر ہو اور یہ بات

بھی واضح اور عیاں ہے کہ ہر جہالت بیع کی صحت کے لئے مضر نہیں ہوتی، اسی لئے تو اناج کے ڈھیر کی بیع جائز ہے اسی طرح اخروٹ، بادام، اور تربوز وغیرہ کی چھلکے کے اندر ہی بیع درست ہے حالانکہ ان سب میں جہالت ہوتی ہے لیکن یہ جہالت غیر مضر ہے اور ادھار والی بیع میں ممانعت کی علت میں جو جہالت ذکر کی جاتی ہے وہ بھی غیر مضر ہے اور اگر اس کا مضر ہونا مان بھی لیا جائے تو پھر بھی ممانعت کی علت ہونا نہیں ہوگا کیونکہ حقیقت میں اس جہالت کی وجہ سے یہ ممانعت قطعاً نہیں ہے۔

۲۔ اگر یہ ممانعت قیمت کی جہالت کی وجہ سے ہوتی تو فرمانِ نبوی ﷺ:

((**فلہ أو کسھما أو الربا**)) اس بائع کے لئے کم مقدار والی قیمت ہے یا پھر سود ہے، کا کیا مطلب اور کیا موقع و محل رہتا ہے؟

اور یہ بات یقینی ہے کہ اس بیع سے ممانعت کی اصل وجہ رقم کی وہ زیادتی ہے جو دکاندار یا بائع ادھار کی وجہ سے وصول کرتا ہے۔

اس حدیث کی رو سے تو دو ہی صورتیں بنتی ہیں: دکاندار یا بائع یا تو کم مقدار والی قیمت کے ساتھ اپنی چیز بیچے گا اور وہ نقد کی قیمت ہے یا پھر ادھار کی وجہ سے سودی اضافہ وصول کرے گا جس کی اس نے ادھار کی صورت میں شرط لگائی تھی۔

دوسرا شبہ: بعض اہلِ علم نے کہا ہے کہ ''**بیعتین في بیعة**'' کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی کوئی چیز ایک مدت تک ادھار دیتا ہے پھر اس خریدار سے خود کم قیمت پر نقد خرید لیتا ہے جسے ''**بیع العینة**'' کہا جاتا ہے اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**إذا تبایعتم بالعینة و أخذتم أذناب البقر و رضیتم بالزرع و ترکتم الجھاد سلط اللّٰہ علیکم ذُلًّا لا ینزعه حتی ترجعوا إلی دینکم**)) جب تم بیع عینہ کرنے لگ جاؤ گے اور گائے بیل کی دموں کے پیچھے لگ جاؤ گے اور کھیتی باڑی کو پسند کرو گے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تمھارے اوپر ذلت مسلط کرے گا، اس وقت تک اسے دور نہیں کرے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف

پلٹ نہیں آؤ گے۔ (سنن ابی داود: ۳۴۶۲، مسند احمد ۲/ ۲۸ ح ۴۸۲۵، واسنادہ ضعیف)

[تنبیہ: اس روایت کی سند میں اسحاق بن اسید قولِ راجح میں ضعیف ہے اور اس کے شواہد بھی ضعیف ہیں جن کے ساتھ یہ روایت ضعیف ہی ہے۔]

ازالہ: اس میں کوئی شک نہیں کہ بیع عینہ بھی باطل ہے، اس لئے کہ یہ سود کا ذریعہ ہے اور اس کی حرمت پر بہت سے آثارِ صحابہ دلالت کرتے ہیں اور حدیث ''**نهى عن بيعتين في بيعة**'' کے عموم میں یہ بھی داخل ہے۔

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ((**من باع بيعتين في بيعة فله أو كسهما أو الربا**)) جو ایک بیع میں دو بیعیں کرلے تو اس کے لئے ان دونوں میں سے کم مقدار والی قیمت ہے یا پھر سود ہے، اس بیع عینہ پر منطبق نہیں ہوتا اور نہ یہ بیع اس حدیث کا مصداق ہی ہے۔

اس لئے کہ بائع یا دکاندار جب کوئی چیز فروخت کرتا ہے اور پھر خود ہی اسے کم قیمت میں خرید لیتا ہے اس صورت میں ((**فله أو كسهما أو الربا**)) کوئی معنی نہیں رکھتا۔

جائز کہنے والوں کے دلائل اور ان کا تجزیہ

جو لوگ قسطوں والی مروجہ بیع کو جائز قرار دیتے ہیں، انھوں نے اس کے لئے مختلف دلائل کا سہارا لیا ہے:

پہلی دلیل: ان کا کہنا ہے کہ اشیاء اور معاملات میں اصل اباحت ہے اور کسی بھی شے کے حرام ہونے کی دلیل چاہئے اور قسطوں والی بیع معاملات میں سے ایک معاملہ ہے لہٰذا یہ مباح ہے اور اس کے حرام ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

تجزیہ: یہ بات تو درست ہے کہ اشیاء و معاملات میں اصل اباحت ہے الا یہ کہ اس کے ناجائز ہونے کی دلیل مل جائے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا اس معاملے کے حرام ہونے کی کوئی دلیل ہے؟ تو یاد رہے کہ اس کے حرام ہونے کی دلیل وہ صحیح حدیث ہے جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ مروی ہے ((**من باع بيعتين فله أو كسهما أو الربا**)) جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے اور اسی طرح کچھ آثارِ صحابہ بھی بیان ہو چکے ہیں، لہٰذا یہ کہنا درست نہیں کہ اس کے

حرام ہونے پر کوئی دلیل نہیں!

دوسرا یہ کہ سدالذرائع بھی اس اباحت اصلیہ کے خلاف دلیل ہے۔ یعنی ناجائز کاموں کی طرف لے جانے والے ذرائع اور وسائل کو روکنا۔ یہ ایک شرعی قاعدہ ہے، عوام الناس کو ایسے فتاویٰ جات دے کر انھیں سودی کاموں پر دلیر کرنا اور سودی معاملات کی راہ ہموار کرنا ہے جو کسی بھی طرح جائز نہیں ہے۔

دوسری دلیل: قسطوں والی بیع اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت جائز ہے:

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ﴾ اللہ تعالیٰ نے بیع حلال کی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ اے ایمان والو! اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ الا یہ کہ تمھاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔ (النساء:۲۹)

بیع تقسیط (قسطوں والی خرید وفروخت) بھی باہمی رضامندی سے تجارت ہے۔

تجزیہ: وہ بیوع اور تجارت جو شرعاً ناجائز ہیں وہ ان آیات کے عمومی حکم میں داخل نہیں ہیں ورنہ لازم آئے گا کہ شراب، خنزیر اور گندم کے بدلے برابر برابر اور ایک جانب سے نقد اور دوسری جانب سے ادھار اور نقد بنقد ایک طرف سے زائد وغیرہ بیوع (سودے) جائز قرار پائیں! کیونکہ یہ بھی تو بیوع ہی ہیں حالانکہ ان بیوع کے جواز کے یہ لوگ بھی قائل نہیں ہیں کیونکہ یہ شرعاً حرام ہیں۔ اسی طرح قسطوں کی صورت میں ادھار کے بدلے زائد رقم وصول کرنا بھی حلال نہیں جیسا کہ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے واضح ہے۔

تیسری دلیل: عقلی قیاس بیع تقسیط مروجہ کے حلال ہونے کا تقاضا کرتا ہے، اس لئے کہ تاجر کو پورا اختیار ہے کہ وہ اپنی چیز کی جتنی چاہے قیمت مقرر کر سکتا ہے کبھی وہ کسی خریدار کو ایک چیز تھوڑی قیمت میں دے دیتا ہے اور وہی چیز دوسرے خریدار کو زیادہ قیمت میں فروخت کر دیتا ہے جب یہ اس کے لئے جائز ہے تو پھر یہ بھی جائز ہے کہ جو خریدار اُسے قیمت (دیر سے) لیٹ ادا کرتا ہے وہ اس سے زیادہ قیمت وصول کرے اور جو اسے نقد دیتا

ہے وہ اس سے کم قیمت وصول کرے۔

تجزیہ: جو لوگ اس قیاس کو عقلی کہہ کر جائز قرار دیتے ہیں، یہ ایسے لوگوں کی عقل کے اعتبار سے تو جائز ہے جن کی عقل شریعت کی پابند نہیں بلکہ شرع پر حاکم بنی بیٹھی ہے لیکن جن کی عقل شریعت کی پابند ہے ان کے نزدیک جائز نہیں۔ کیونکہ وہ نص کے مقابلے میں عقل سے کام نہیں لیتے۔ یہاں تو نص موجود ہے جس کا سابقہ صفحات پر تذکرہ ہو چکا ہے۔

ہاں تاجر کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اس قیمت کے ساتھ ادھار فروخت کرے جس کے ساتھ وہ اب نقد بیچنا چاہتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی آدمی کی غربت یا دوستی کی وجہ سے وہ اسے کم قیمت پر بیچ دیتا ہے اور کبھی اسے روزانہ کا گاہک سمجھ کر کم قیمت پر فروخت کر دیتا ہے اور ان کے علاوہ دوسرے گاہکوں سے زیادہ قیمت وصول کر لیتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس بیع میں قیمت کی زیادتی اور اضافہ ادھار کی وجہ سے نہیں ہے۔ جس بیع میں قیمت کی زیادتی صرف ادھار کی وجہ سے ہو، وہ منع اور حرام ہے۔ اس طرح کی بیع کی حقیقت یہ بن جاتی ہے کہ اس دکاندار یا بائع نے اس گاہک کے ساتھ قرض کا لین دین کیا ہے اور اس نے اس قرض و دَین میں زیادتی اور اضافہ لیا ہے کیونکہ اسے اس پر کچھ صبر بھی کرنا پڑے گا چنانچہ تاجر جب خریدار سے کہے گا کہ یہ سامان ہے اگر تو اس کی قیمت اب ادا کرتا ہے تو میں تجھے ایک ہزار کا فروخت کرتا ہوں لیکن اگر تو مجھے اس کی قیمت ایک سال بعد ادا کرے گا تو میں تجھ سے ڈیڑھ ہزار روپے لوں گا تو پھر اس بیع کی حقیقت یہ بنتی ہے کہ دراصل گاہک نے تاجر سے یہ سامان ابھی ایک ہزار روپے کے بدلے خرید لیا ہے اور اپنے قبضے میں کر لیا ہے چونکہ اب وقتی طور پر اس کے پاس ایک ہزار موجود نہیں ہے، اب یہ ہزار اس کے ذمہ قرض ہے جو اس نے سال بعد ادا کرنا ہے اور تاجر نے اسے زبانِ حال سے یہ کہہ دیا ہے کہ میں تجھے اس شرط پر ایک سال کی مہلت دیتا ہوں کہ تم مجھے پانچ سو روپے زائد بھی دو۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پہلے یہ شخص خریدار کے ساتھ بیع کا معاملہ کرنے والا تاجر تھا، اب تاجر سے منتقل ہو کر ہزار کے بدلے پندرہ سو وصول کر کے سودی معاملہ کرنے والا بن گیا ہے اور یہی

بعینہ سود ہے۔ معلوم ہوا کہ ان کا یہ قیاس باطل ہے۔

صحیح عقلی قیاس یہ ہے کہ ادھار کی شکل میں نقد کی قیمت سے زیادہ وصول کرنا ہی زیادتی اور اضافہ ہے جو سودی لین دین والا کرتا ہے۔ جو اس کے رأس المال (اصل سرمائے) سے زائد ہوتا ہے۔

چوتھی دلیل: نقد سے زیادہ قیمت کے ساتھ ادھار کی یہ بیع، بیع سلم ہی ہے اس لئے کہ یہ ادھار کی بیع، بیع سلم کا عکس ہے کیونکہ بیع سلم میں قیمت پہلے دی جاتی ہے اور سامان بعد میں وصول کیا جاتا ہے اور ادھار کی بیع میں سامان پہلے دیا جاتا ہے اور رقم بعد میں وصول کی جاتی ہے لہٰذا یہ بھی جائز ہے۔

تجزیہ: یہ قول بھی فاسد ہے اور باطل قیاس ہے۔ اس کے باطل ہونے کی کئی وجوہات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ بیع سلم یا بیع سلف کے مباح ہونے کی واضح دلیل موجود ہے جبکہ اس ادھار والی بیع کی حرمت کی واضح دلیل موجود ہے تو جسے شرع نے حرام کیا ہو، وہ اس طرح کیسے ہو سکتی ہے جسے شرع نے حلال کیا ہو؟ جس چیز کی حلت پر نصِ شرعی موجود ہو، اس پر اسے کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے جس کی حرمت پر نص موجود ہو؟

ادھار والی اس مروجہ بیع کی حرمت پر حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ((**من باع بیعتین في بیعة فلہ أوکسھما أو الربا**)) موجود ہے اور علماء و فقہاء اور محدثین کی ایک کثیر جماعت نے اس کا مطلب نقد اور ادھار میں قیمت کے فرق کے ساتھ بیع (خرید و فروخت) بیان کیا ہے جو سابقہ صفحات پر گزر چکا ہے اور بیع سلم کی حلت میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تھے تو اس وقت مدینہ والے سال، دو سال تک بیع سلم کیا کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فرمایا تھا:

((**من أسلف في شيءٍ ففي کیل معلوم و وزن معلوم إلٰی أجل معلوم**)) جو شخص بھی بیع سلم کرے تو وہ ایک معین مدت تک معین ماپ اور معین وزن ہی میں کر سکتا ہے۔ (بخاری: ۲۲۴۰)

لہٰذا جو چیز نص اور دلیل سے حرام ہو اسے ایسی چیز پر قیاس نہیں کیا جا سکتا جو نص اور دلیل سے حلال ہو کیونکہ نص کی موجودگی میں قیاس باطل ہے اور ایک وجہ یہ ہے کہ بیع سلم، بیع کے عام قاعدے سے مستثنیٰ اور مخصوص ہے اور جو چیز خود کسی عام قاعدے سے مخصوص ہو، اس پر قیاس کرنا جائز نہیں ہوتا اور بیع میں عام قاعدہ یہی ہے کہ معدوم (غیر موجود) شے کی بیع درست نہیں ہے اور بیع سلم کو اس قاعدے سے مستثنیٰ کیا گیا ہے دیکھئے:

الوجيز في أصول الفقه (ص ۵۲، از عبدالکریم زیدان)

''جب اصل (مقیس علیہ) کسی عام قاعدے سے مستثنیٰ ہو تو اس پر کسی چیز کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔'' (الوجیز ص ۱۹۹)

بیع سلم پر اس بیع اجل (ادھار کی بیع) کو اس لئے بھی قیاس کرنا درست نہیں ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے۔ بیع الاجل میں جو زیادہ قیمت لی جاتی ہے وہ صرف ادھار کی وجہ سے ہے جو عین سود ہے۔ جبکہ بیع سلم میں مدت اور ادھار کی وجہ سے پھلوں کی اصل قیمت سے زائد کچھ بھی وصول نہیں کیا جاتا، لہٰذا دونوں میں فرق واضح ہے اور معترضین کا قیاس، قیاس مع الفارق اور باطل ہے۔

پانچویں دلیل: قسطوں والی مروجہ بیع کو جائز کہنے والوں نے آیت مداینہ سے بھی استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ﴾ اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے قرض کا معاملہ مقرر و معین مدت تک کرو تو اسے لکھ لو۔ (البقرہ: ۲۸۲)

ان کا کہنا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مقرر و معین مدت تک قرض کا معاملہ کیا جا سکتا ہے اور قسطوں والی بیع بھی مقررہ مدت تک قرض کا معاملہ ہے لہٰذا یہ جائز ٹھہرا۔

تجزیہ: اس آیت کریمہ کا ادھار والی مروجہ بیع سے نہ قریب کا تعلق ہے اور نہ ہی دور کا۔ اس میں صرف قرض لکھنے، اس پر گواہ مقرر کرنے کا حکم ہے۔

اس میں یہ بات موجود نہیں کہ ادھار کے بدلے زیادہ قیمت وصول کر سکتے ہو لہٰذا اس

آیت سے یہ مسئلہ کشید کرنا محض سینہ زوری ہے اور اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

چھٹی دلیل: ان لوگوں کا چھٹا استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے خود اُدھار والی بیع کی ہے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے اُدھار اناج خریدا تھا اور اس کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی تھی۔ (صحیح بخاری: ۲۰۶۸، صحیح مسلم: ۱۶۰۳)

تجزیہ: یہ بات تو درست ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے ادھار غلہ خریدا تھا اور اس کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی تھی جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الرہن میں موجود ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس حدیث میں یا اس طرح کی کسی دوسری حدیث میں یہ موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس یہودی کو وقتی قیمت سے زیادہ قیمت دے کر ادھار سودا لیا تھا؟ جو شخص اس بات کا مدعی ہے وہ دلیل پیش کرے بصورتِ دیگر وہ رسول اللہ ﷺ کے ذمے ایسا کام لگا رہا ہے جو آپ نے نہیں کیا۔

ساتویں دلیل: رسول اللہ ﷺ نے دو اونٹوں کے بدلے ایک اونٹ اُدھار خریدا۔ آپ ﷺ نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو حکم دیا تھا کہ صدقے کے اونٹوں کے بدلے اونٹ لے۔ انھوں نے دو دو اور تین تین اونٹنیوں کے بدلے ایک ایک اونٹ اُدھار لیا لہٰذا اُدھار کے بدلے اضافہ ہوسکتا ہے۔ (ابوداود: ۳۳۵۷، مسند احمد ۲/ ۱۷۱، واسنادہ ضعیف)

تجزیہ: یہ حدیث مسند احمد، سنن ابی داود اور سنن دارقطنی (۳/ ۶۹ ح ۳۰۲۳ وسندہ حسن) میں موجود ہے۔ مکمل حدیث اس طرح ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں ان اونٹوں پر سوار کر کے ایک لشکر روانہ کروں جو میرے پاس تھے، چنانچہ میں نے اپنے اونٹوں پر لشکر کو سوار کیا حتیٰ کہ اونٹ ختم ہو گئے اور لشکر کے کچھ مجاہدین بچ گئے، ان کے لئے کوئی سواری نہ تھی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ بعض لوگ بچ گئے ہیں، ان کے لئے کوئی سواری نہیں بچی۔ آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ صدقہ کے اونٹوں کے بدلے میں لوگوں سے ادھار اونٹ خرید لو تاکہ لشکر تیار ہو جائے اور جب صدقہ کے اونٹ آئیں گے تو ہم انھیں وہ اونٹنیاں دے دیں گے جو طے کی

ہیں تاکہ تم اس لشکر کو تیار کر کے روانہ کر دو۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں لوگوں سے صدقے کے دو دو اور تین تین اونٹنیوں کے بدلے ایک ایک اونٹ لینے لگا، اس شرط پر کہ جب صدقے کے اونٹ آئیں گے تو ہم آپ کا دَین واپس کر دیں گے حتیٰ کہ وہ لشکر میں نے تیار کر کے روانہ کر دیا۔ جب صدقے کے اونٹ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں وہ اونٹنیاں ادا کر دیں۔

یاد رہے کہ یہ بیع حیوانوں کے ساتھ خاص ہے کیونکہ نص اور دلیل صرف حیوان کی بیع کے متعلق وارد ہوئی ہے، اس سے عام قاعدہ اور ضابطہ اخذ نہیں کیا جا سکتا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ بات کی تردید کی جائے اور وہ یہی ہے کہ ایک جنس کی دو چیزوں میں ایک طرف سے زائد وصول کر کے بیع کرنا جائز نہیں اور جو لوگ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے ادھار کی وجہ سے ہر طرح کی زیادتی وصول کرنے پر جواز کا استدلال کرتے ہیں وہ غلط کر رہے ہیں کیونکہ ان کا قیاس ایسی جگہ پر ہے جہاں قیاس کی گنجائش ہی نہیں ورنہ تو ایک دینار کے بدلے میں دو دیناروں کی بیع ادھار جائز ٹھہرے گی، اسی طرح ایک من گندم کی بیع دو من گندم کے ساتھ ادھار بھی جائز ہوگی وغیرہ، حالانکہ اس کی حرمت پر اتفاق ہے۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ ایک اونٹ کی دو اونٹوں کے بدلے بیع میں یہ شرط نہیں ہے کہ یہ بیع دو اونٹوں کے ایک اونٹ سے افضل ہونے کی وجہ سے ہے بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک اکیلا اونٹ دو اونٹوں سے بہتر ہوتا ہے جیسا کہ امام بخاری نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ''قد یکون البعیر خیرًا من البعیرین '' کبھی ایک اونٹ دو اونٹوں سے بہتر ہوتا ہے۔ (بخاری قبل حدیث: ۲۲۲۸)

بہر حال مذکورہ حدیث حیوان کے ساتھ ایک طرف سے زیادتی کی ادھار بیع کے ساتھ ہی خاص ہے عام قاعدہ نہیں ہے ورنہ ایک جنس کی دو چیزوں کی آپس میں بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ٹھہرے گی جس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ [یہ بھی واضح رہے کہ ابو داود اور مسند احمد کی مرفوع روایت سنداً ضعیف ہے اور سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا دو کے بدلے ایک اونٹ لینا

موقوفاً ذاتی عمل ہے نہ کہ مرفوعاً۔ واللہ اعلم]

آٹھویں دلیل : زیادہ قیمت کے ساتھ ادھار فروخت کرنے میں عوام الناس کے لئے آسانی ہے اور شریعت کے بہت سارے امور کا مدار آسانی پر ہے۔ غریب لوگ جو ضروریاتِ زندگی کی اشیاء یکمشت قیمت ادا کر کے نہیں خرید سکتے، وہ قسطوں کی صورت میں آسانی سے خرید سکتے ہیں اور دکاندار کو چونکہ قسطوں کی صورت میں لمبا انتظار کرنا پڑتا ہے، اس لئے وہ اس کے بدلے میں زیادہ قیمت وصول کر کے فائدہ اٹھالیتا ہے اس طرح تاجر اور خریدار دونوں کو فائدہ پہنچ جاتا ہے۔

تجزیہ: قسطوں کے کاروبار کو جواز فراہم کرنے کے لئے جو دلیل ذکر کی گئی ہے یہ دلیل وہ لوگ بھی دیتے ہیں جو خالص سودی کاروبار کرتے ہیں۔ جو شخص سود پر کسی سے قرض لیتا ہے وہ بھی اس مال یا جائیداد اور خرچ کرنے یا سرمایہ کاری کی صورت میں فائدہ اٹھا رہا ہے پھر جب اسے آسانی ہوتی ہے، اس وقت وہ اصل سے کچھ زائد رقم دے کر جس سے قرض لیا ہوتا ہے اسے فائدہ پہنچا دیتا ہے، اس طرح قرض دینے والے اور لینے والے دونوں فائدہ حاصل کر لیتے ہیں، لہٰذا یہ سود بھی جائز ٹھہرا۔ ! (العیاذ باللہ)

ثابت ہوا کہ اُدھار کے بدلے زائد رقم وصول کرنے والوں کی دلیل سودی کاروبار پر بھی فٹ ہو رہی ہے اور سود خور یہ دلیل پیش کر کے سودی کاروبار چلا رہے ہیں۔ اگر یہ لوگ واقعتاً آسانی کرنا چاہتے ہیں تو ادھار کے بدلے زائد رقم وصول کئے بغیر بھی آسانی کر سکتے ہیں اور سود سے بھی بچ سکتے ہیں۔ کسی چیز کو قسطوں پر دینے میں خریدار پر آسانی ہے لیکن اگر ساتھ زیادہ قیمت لگائیں گے تو تنگی بھی ہوگی اور سود بھی وصول ہوگا تو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو مہلت کیوں نہیں دیتا اور انتظار کیوں نہیں کرتا تا کہ شرعی حقیقی آسانی ہو جس کی اسلام نے ترغیب دی ہے اور اس پر اجر و ثواب بھی ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ﴾

اگر تنگ دست ہو تو آسانی تک اسے مہلت دینا ہے۔ (البقرۃ:۲۸۰)

اور مروجہ ادھار بیع روحِ اسلام کے خلاف ہے اور ایسے تاجروں سے لوگ اپنی مجبوری کی وجہ سے اشیاء خریدتے ہیں، اگر انھیں ایسا تاجر مل جائے جو ادھار کے بدلے زائد قیمت وصول نہ کرتا ہو تو لوگ اس سے اشیاء خریدیں گے، ادھار کے بدلے زائد رقم وصول کرنے والوں سے قطعاً سودا نہیں خریدیں گے۔ اس سے اس کے مال میں اضافہ بھی ہوگا، تجارت بڑھے گی اور لوگوں پر مہلت کی آسانی کرنے پر اللہ تعالیٰ راضی ہوگا اور جس تاجر کا جتنا مال زیادہ فروخت ہوتا ہے، اسے اتنا زیادہ نفع ملتا ہے اور اللہ کی رضا اس پر مستزاد ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ اگر لوگوں کی حاجت اور ضرورت کی بنا پر حلت وحرمت کی بنیاد رکھی جائے تو پھر شرع میں ہر حرام کے حلال ہونے کی بھی لوگ دلیلیں بنالیں گے۔

اصل تو یہ ہے کہ شریعت نے جس چیز کو حلال بنایا وہ حلال ہے اور جسے حرام قرار دیا وہ حرام ہے۔ لوگوں کی حاجات اور ضروریات کو حلال وحرام میں دخل نہیں ہے اور مروجہ قسطوں کی بیع، بیوع محرّمہ میں داخل ہے اور رفعِ حرج اور ارادۂ یسر کا قاعدہ اس پر فٹ نہیں ہوتا۔

جو لوگ نقد قیمت ادا کر کے سامان خریدنے کی ہمت نہیں رکھتے اور جو ہمت رکھتے ہیں دونوں کو حلال پر اکتفا کرنا چاہیے اور حرام سے اجتناب کرنا چاہیے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾

جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے تو اللہ اس کے لئے نکلنے کی کوئی راہ پیدا کر دیتا ہے۔ (الطلاق:۲)

اور فرمایا: ﴿وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ﴾

اور اسے وہاں سے روزی دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔ (الطلاق:۳)

نیز فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ﴾

اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے، وہ اسے کافی ہے۔ (الطلاق:۳)

نویں دلیل: اُدھار مال دینے والا اپنے مال کو خطرے میں ڈالنے والا ہے کیونکہ اسے مکمل طور پر یقین نہیں ہوتا کہ اُدھار لینے والا اسے وہ قرض اور دَین واپس بھی کرے گا یا نہیں اور جتنی مہلت لمبی ہوگی، اتنا ہی خطرہ بڑھتا چلا جائے گا لہٰذا ایسا دکاندار یا تاجر اس خطرے

کو برداشت کرنے کی وجہ سے اُدھار کے بدلے زائد رقم وصول کرے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

تجزیہ: اس دلیل کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سود پر قرض دینے والے بھی بعینہ یہی دلیل دیتے ہیں اور اس دلیل کی بنا پر تو سود بھی جائز ٹھہرتا ہے۔

حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ وہ تاجر جو اُدھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ چیز نقد تو سو روپے کی ہے اور اُدھار ایک سو دس روپے کی اور خریدار کو اس نے مثلاً سال کی مہلت دے دی تو اس نے حقیقت میں تمھیں وہ چیز سو روپے کی فروخت کی ہے اور خریدار کے ذمے اس کے سو روپے ثابت ہو گئے، جب خریدار بعد میں اسے ایک سو دس روپے دے تو گویا دکاندار نے اس کے سو روپے کے بدلے میں اسے ایک سو دس روپے دیئے ہیں جو صریحاً سود ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ انظار اور مہلت کی وجہ سے مال کو خطرے میں ڈالنے والی دلیل بالکل بودی اور سود خوروں کو سود کا جواز فراہم کرنے والی ہے۔

دسویں دلیل: جمہور علماء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

تجزیہ: یہ بات متفقہ ہے کہ جب کوئی مسئلہ کتاب وسنت کی دلیل سے واضح ہو تو کسی بھی شخص یا عالم کے قول کو نہیں لیا جاتا بلکہ کتاب وسنت کی پیروی کی جاتی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث سے اس بیع کا حرام ہونا ثابت ہو گیا تو پھر اس کے خلاف کسی کے قول کو نہیں دیکھا جائے گا اور یہ بھی یاد رہے کہ علماء کی اکثریت اس بیع کے ناجائز ہونے کی طرف گئی ہے جیسا کہ اوپر باحوالہ بات گزر چکی ہے اور اس بیع کی حرمت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے اور کسی صحابی سے ان کی مخالفت ثابت نہیں ہے، راویانِ حدیث اور فقہاء ومحدثین نے بھی اس حدیث کی رو سے نقد اور اُدھار میں فرق والی بیع کو حرام قرار دیا ہے۔

گیارہویں دلیل: بعض لوگ جب کوئی دلیل بیع تقسیط کے جواز کی نہیں پاتے تو کہہ دیتے ہیں کہ ((من باع بیعتین في بیعة فله أوکسهما أو الربا)) والی حدیث ضعیف وشاذ ہے اور اس سے استدلال درست نہیں ہے۔

تجزیہ: یہ حدیث صحیح ہے۔امام ترمذی نے اسے حسن صحیح، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔
اسے ابن الجارود (۶۰۰) اور ابن حبان (۱۱۱۰) اور ابن حزم نے (المحلیٰ ۹/۱۶ مسئلہ: ۱۵۱۷)
بھی صحیح قرار دیا ہے۔اس کی سند میں محمد بن عمرو حسن الحدیث ہے لہٰذا یہ روایت قابل حجت ہے۔
مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ قسطوں والی مروجہ بیع جس میں اُدھار کے بدلے
رقم بڑھائی جاتی ہے حرام ہے اور اس میں سود شامل ہے۔
نوٹ: راقم جب یہ مضمون تحریر کر رہا تھا تو سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ کی پانچویں جلد کے
مطالعہ کے دوران میں شیخ البانی رحمہ اللہ کا قول قارئین کو نصیحت کرتے ہوئے پڑھا کہ شیخ
عبدالرحمٰن عبدالخالق کا رسالہ ''القول الفصل في بيع الأجل'' اس مسئلہ میں بہت مفید
اور اس باب میں یکتا ہے تو اس کی تلاش میں فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن ضیاء صاحب حفظہ اللہ
سے جامعہ ابن تیمیہ لاہور میں ملاقات ہوئی، انھوں نے بتایا کہ یہ رسالہ ان کے پاس موجود
ہے بلکہ انھوں نے اس کے اکثر حصے کا اُردو میں ترجمہ بھی کر دیا ہے اور شفقت فرماتے ہوئے
یہ رسالہ اور اس کا ترجمہ عنایت فرمایا لہٰذا اس بحث کا اکثر حصہ اسی رسالے سے ماخوذ ہے۔
اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی حسنات میں اضافہ کرے اور سیئات سے درگزر فرمائے۔آمین
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ راقم الحروف کو ایسے جید باعمل علمائے کرام سے کما حقہ فائدہ
اُٹھانے کی توفیق عنایت فرمائے۔آمین

حافظ زبیر علی زئی

دلائل النبوۃ للبیہقی اور حدیثِ نور

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الأمین ، أما بعد:

دلائل النبوۃ للبیہقی کی ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) کو پیدا فرمایا تو ان کی اولاد کو آپ کے سامنے پیش کیا۔ آدم (علیہ السلام) نے اپنی اولاد کے ایک دوسرے پر فضائل کو دیکھا تو پھر مجھے پھیلتے ہوئے نور کی صورت میں دیکھا۔ الخ (ج۵ ص۴۸۳)

اس روایت کی سند کے شروع میں امام بیہقی فرماتے ہیں:

''أخبرنا أبو الحسن علی بن أحمد بن سیماء المقرئ قدم علینا حاجّاً''

ہمیں ابوالحسن علی بن احمد بن سیماء المقرئ نے خبر دی، وہ ہمارے پاس حج کے لئے جاتے ہوئے تشریف لائے تھے۔ (دلائل النبوۃ ج۵ ص۴۸۳)

راقم الحروف نے اس سند پر جرح کرتے ہوئے لکھا تھا:

''اس میں بیہقی کا استاد ابوالحسن علی بن احمد بن سیماء المقرئ مجہول الحال ہے۔ ابن سیماء کا ذکر المنتخب من السیاق لتاریخ نیسابور (۱۲۴۹) میں بغیر کسی توثیق کے کیا گیا ہے۔ اس ابن سیماء کی توثیق ہمارے علم کے مطابق کسی کتاب میں موجود نہیں ہے۔''

(ماہنامہ الحدیث: ۲۵ ص ۶۲، جعلی جزء کی کہانی ص ۳۲، ۳۳)

اس کے جواب میں ایک بریلوی نے تاریخ بغداد (جلد ۱۱ صفحہ ۳۲۸) وغیرہ کے حوالے پیش کر کے لکھا ہے کہ ''امام ابوالحسن علی بن احمد بن سیماء المقری رحمۃ اللہ علیہ کی ثقاہت جلیل القدر آئمہ محدثین کرام سے ہم نے بیان کردی ہے۔'' (علمی محاسبہ ص۱۲۲)

حالانکہ محاسبہ کے مصنف نے بغداد کے رہنے والے علی بن احمد بن عمر بن حفص ابوالحسن المقرئ المعروف بابن الحمامی کی توثیق نقل کی ہے۔ ابن الحمامی کے آباء واجداد میں

سیماء کا نام ونشان نہیں ہے۔ مصنف مذکور نے جتنے حوالے لکھے ہیں اُن میں سے کسی ایک میں بھی ابن الحمامی کے اجداد میں سیماء کا نام موجود نہیں ہے۔

عبدالغافر بن اسماعیل الفارسی فرماتے ہیں: ''**علي بن أحمد بن سيما البخاري أبو الحسن قدم نيسابور حاجًا سنة إثنتي عشرة وأربعمائة وخرج قافلاً إلى وطنه وتوفي**''، علی بن احمد بن سیما البخاری ابوالحسن حج کے لئے جاتے ہوئے ۴۱۲ھ میں نیشاپور آئے تھے اور پھر واپس جاتے ہوئے اپنے وطن کی طرف نکلے اور فوت ہو گئے۔

(الحلقۃ الاولیٰ من تاریخ نیسابور ص ۵۶۹ ت ۱۲۴۹)

معلوم ہوا کہ ابن سیماء بخاری تھا جو حج کے لئے اپنے وطن بخارا سے روانہ ہوا تو راستے میں نیشاپور سے گزرا اور امام بیہقی وغیرہ کو مذکورہ حدیث سنادی۔ اب بغیر کسی دلیل کے اس بخاری کو بغدادی قرار دینا غلط ہے۔ نیشاپور سے مکہ اور مدینہ جانے کے لئے ایران میں سفر کے بعد عراق کے ذریعے حجاز میں داخل ہونا پڑتا ہے۔

اگر اس سے مراد ابن الحمامی البغدادی لیا جائے تو کیا خیال ہے کہ انھوں نے بغداد (عراق) سے مکہ ومدینہ کے قریبی راستے سے جانے کے بجائے ہزار میل سے زیادہ مسافت کو کس لئے اختیار کیا؟ واضح ثبوت پیش کریں۔ عراق سے ایران آ کر سعودی عرب کو کون سا راستہ جاتا ہے؟ کہیں سے ایران، عراق اور سعودی عرب کا نقشہ منگوا کر دیکھ لیں۔

یہ تو ایسا ہی ہے جیسے اسلام آباد کا کوئی شخص لاہور جانے کے لئے پشاور اور جلال آباد کا راستہ اختیار کر کے دائرے کی شکل میں ہزار میل سے زیادہ کا سفر طے کر کے لاہور پہنچنے کی کوشش کرے۔!

ابن الحمامی تو (بغداد کے) مقبرہ باب حرب میں دفن ہوئے تھے (دیکھئے تاریخ بغداد ۱۱/ ۳۳۰) اور ابن سیماء البخاری مذکور اپنے وطن میں فوت ہوا تھا۔ کیا بخارا سے اس کی لاش بغداد لائی گئی تھی؟ اور بخارا سے یہ لاش بغداد پہنچانے پر کتنے مہینے لگے تھے؟ جبکہ صدیوں پہلے لوگوں کو موجودہ وسائل میسر نہیں تھے۔

ہوسکتا ہے کہ بریلوی مصنف کے نزدیک ابن سیماء کی میت کو کرامت کے زور سے بغداد پہنچایا گیا ہو لیکن کرامت کے وقوع کے لئے بھی تو صحیح دلیل درکار ہے جو یہاں سرے سے موجود نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ علی بن احمد بن سیماء البخاری علیحدہ شخص ہے اور علی بن احمد بن عمر بن حفص البغدادی علیحدہ ہیں۔ دونوں کو ایک قرار دینا اسی شخص کا کام ہوسکتا ہے جو اسماء الرجال اور علمِ حدیث سے نابلد ہو۔

مختصر یہ کہ ابن سیماء البخاری مجہول الحال ہی ہے، اس کی کوئی توثیق ثابت نہیں ہے۔

تنبیہ: اس تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ روایت ابن ابی عاصم کی کتاب الاوائل (ح ۵) اور کتاب السنۃ (ح ۲۰۵ دوسرا نسخہ: ۲۱۱) میں موجود ہے۔

[اور اسے ابو طاہر المخلص نے الفوائد (خ ل ۲۴۸/ ب) میں روایت کیا ہے]

اس روایت کی سند حسن ہے اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(دیکھئے ظلال الجنۃ ج ۱ ص ۹۰)

اسی روایت کی دوسری سند میں آیا ہے کہ ''**لما خلق اللّٰہ آدم مسح ظھرہ فسقط من ظھرہ کل نسمۃ ھو خالقھا من ذریتہ إلیٰ یوم القیامۃ وجعل بین عیني کل إنسان منھم و بیصًا من نور...**'' جب اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو پیدا کیا (تو) اُن کی پیٹھ پر مسح کیا پھر ان کی پیٹھ سے ہر (انسان کی) روح گر پڑی جسے اس نے قیامت سے پہلے پیدا کرنا تھا اور ہر انسان کی آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک رکھی....

(سنن الترمذی: ۳۰۷۶ وسندہ حسن وصححہ الحاکم ۲/ ۵۸۶ وقال الترمذی: حسن صحیح)

ایک روایت میں ہے کہ ((**فإذا فیھم رجل أضوأھم أو من أضوئھم ...**))

آپ نے دیکھا کہ ایک آدمی ان میں سب سے زیادہ روشن ہے۔

(سنن الترمذی: ۳۳۶۸ وقال: ''حسن غریب'' وسندہ حسن وصححہ ابن حبان: ۶۱۳۴ والحاکم ۴/ ۲۶۳ ووافقہ الذہبی)

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ((**إن اللّٰہ عزوجل خلق خلقہ في**

ظلمة ثم ألقي عليهم من نوره يومئذ فمن أصابه من نوره يومئذ اهتدى ...))
بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا پھر اس دن اپنے (پیدا کردہ) نور سے ان پر ڈالا پس جسے اس دن نور مل گیا تو وہ ہدایت یافتہ ہوا۔

(مسند احمد ۲/ ۱۷۶ ح ۶۶۴۴ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم ۱/ ۳۰ ح ۸۳)

معلوم ہوا کہ حدیث ابن ابی عاصم میں نور سے مراد نورِ ہدایت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ خیر البشر ہونے کے ساتھ سب سے عظیم ترین نورِ ہدایت بھی ہیں۔
تنبیہ: السنۃ لابن ابی عاصم وسنن الترمذی وغیرہما کی سابقہ حدیثِ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ انسانوں میں اول الخلق (پہلی مخلوق) نہیں بلکہ آدم علیہ السلام اول الخلق ہیں لہٰذا اس حدیث سے بھی بریلویوں کا استدلال صحیح نہیں ہے۔
بریلویوں کی بنیادی کتاب بہارِ شریعت میں محمد امجد علی بریلوی نے لکھا ہے کہ
''عقیدہ۔ نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے وحی بھیجی ہو۔ اور رسول بشر ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ملائکہ میں بھی رسول ہیں۔
عقیدہ۔ انبیاء سب بشر تھے اور مرد، نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت۔''

(بہارِ شریعت ج ۱ ص ۷ دوسرا نسخہ ص ۹ عقائد متعلقہ نبوت)

اس کتاب کے ابتدائی چھ حصے احمد رضا خان بریلوی نے حرفاً حرفاً سنے اور تحسین کی۔ دیکھئے مقدمہ بہارِ شریعت (ص د)
محمد امجد علی بریلوی مزید لکھتے ہیں:
''غیر مقلدین یہ بھی وہابیت ہی کی ایک شاخ ہے وہ چند باتیں جو حال میں وہابیہ نے اللہ عزوجل اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں بکی ہیں غیر مقلدین سے ثابت نہیں باقی تمام عقائد میں دونوں شریک ہیں۔'' (بہارِ شریعت ج ۱ ص ۴۷)
یعنی بریلویوں کے نزدیک اہلِ حدیث گستاخ نہیں ہیں۔ وما علینا إلا البلاغ

(۲۹۔ اپریل ۲۰۰۷ء)

ابوالاسجد محمد صدیق رضا

اُمتِ مصطفیٰ ﷺ اور شرک (قسط:۲)

مشرک کی مغفرت نہیں ہے

شرک سے نفرت اور اُس کی مذمّت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِافْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًا﴾

بلا شبہ اللہ مغفرت نہیں کرتا یہ کہ اُس کے ساتھ شرک کیا جائے، اس کے علاوہ جسے چاہے وہ معاف کر دے اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے اُس نے بہت بڑا بہتان باندھا۔ (النساء:۴۸)

رحمتِ الٰہی کی وسعتوں پر غور کیجئے فرمایا:

﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ﴾

میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ (الاعراف:۱۵۶)

رسول ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی خَلَقَ ، یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِائَةَ رَحْمَةٍ ، كُلُّ رَحْمَةٍ طِبَاقَ مَابَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ، فَجَعَلَ مِنْهَا فِی الْاَرْضِ رَحْمَةً فَبِهَا تَعْطِفُ الْوَالِدَةُ عَلٰی وَلَدِهَا ، وَالْوَحْشُ وَالطَّیْرُ بَعْضُهَا عَلٰی بَعْضٍ ، فَاِذَا كَانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ ، اَكْمَلَهَا بِهٰذِهِ الرَّحْمَةِ))

اللہ تعالیٰ نے جس دن زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا (اُس دن) سو رحمتیں پیدا فرمائیں، ہر رحمت زمین و آسمان کے خلا کو بھر دے، پھر اُن رحمتوں میں سے ایک رحمت کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر رکھ دیا، پس اُسی (ایک رحمت) کی وجہ سے ماں

اپنے بچے پر اور وحشی درندے اور پرندے ایک دوسرے پر شفقت کرتے ہیں، پس جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کو (یعنی بقیہ ننانوے رحمتوں کو) اس ایک رحمت کے ساتھ ملا کر مکمل فرمائے گا، (اور پھر اپنے بندوں پر ان کے ساتھ رحم فرمائے گا، **یرحم بھا عبادہ یوم القیامة**) (صحیح مسلم: ۲۷۵۲، دارالسلام: ۶۹۷۷، ۶۹۷۴)

اِس ایک رحمت پر غور کیجئے! اُس کی وسعتوں کو شمار میں لانا ممکن ہی نہیں، دنیا میں کتنے انسان ہیں کتنے وحشی جانور و دیگر جانور کتنے پرندے اور زمین و آسمان کے پیدا ہونے سے لے کر آج تک اور پھر قیامت تک کتنے ہی ہوں گے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ماں ہمیشہ اپنے بچوں کے لئے شفقت رکھتی ہے، وہ ماں خواہ انسان کی ہو یا کسی پرندے، جانور حتیٰ کہ وحشی درندے ہی کی ماں کیوں نہ ہو اپنے بچوں کے لئے ممتا کے شفقت بھرے جذبات اُس کے دل میں موجود ہوتے ہیں، بس یہ تو صرف ایک رحمت ہے کہ جس کو ہم شمار میں نہیں لا سکتے اگر سو رحمتیں جمع ہو جائیں تو کس قدر رحمتوں کی برسات ہوگی اور کتنے ہی انسان بخشے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ تو ماں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ اپنے بندوں سے محبت فرماتا ہے لیکن وائے بدبختی! شرک کرنے والے شخص کی کہ جو شرک سے توبہ کئے بغیر مر گیا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ واضح اعلان فرما دیا کہ اُس کی مغفرت و بخشش نہیں ہوگی۔ اُس کو قطعاً معافی نہیں ملے گی، اُس پر کسی قسم کا رحم نہیں کیا جائے گا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ ، كَتَبَ فِي كِتَابٍ فَهُوَ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ : اِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي))

جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو اُس نے اپنی اس کتاب میں جو اُس کے پاس عرش پر ہے اُس میں لکھ دیا کہ ''میری رحمت میرے غضب پر غالب ہوگی۔''

(صحیح بخاری: ۷۴۰۴)

لیکن اس بے پناہ رحمت میں ''شرک'' کرنے والوں کے لئے کوئی حصہ نہیں۔ وہ الرحمٰن بھی الرحیم بھی الودود بھی الغفور اور الغفار بھی لیکن آخرت میں ''مشرک کے لئے اسکے

ہاں ان صفات میں سے کوئی حصہ نہیں!

مشرک کے لئے دعائے مغفرت کی ممانعت

شرک سے توبہ کئے بغیر مرجانے والے کی اللہ تعالیٰ بخشش ومغفرت نہیں فرمائے گا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے دعائے مغفرت سے بھی منع کیا اور فرمایا:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْآ اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾

نبی (کریم ﷺ) اور ایمان والوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے مغفرت طلب کریں اگر چہ وہ (ان کے) قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ جہنمی ہیں۔ (توبہ:۱۱۳)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اور قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾

اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ (الانبیاء:۱۰۷)

لیکن اس کے باوجود اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو شرک کرنے والوں کے لئے دعائے مغفرت سے منع فرمادیا، سورۂ توبہ کی مذکورہ بالا آیت کا شانِ نزول کچھ اس طرح ہے کہ جب ابو طالب (آپ ﷺ کے چچا) کی موت (سکرات) کا وقت آیا تو نبی کریم ﷺ اُس کے پاس تشریف لائے، اُس وقت ابو جہل اور عبداللہ بن ابی اُمیہ بھی موجود تھے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((أَيْ عَمِّ! قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه، اُحَاجُّ بِهَا عِنْدَ اللّٰه))

اے میرے چچا! آپ لا الٰہ الا اللّٰہ کہہ دیں، تاکہ میں اللہ کے ہاں آپ کے لئے حجت پیش کرسکوں، تو ابو جہل اور عبداللہ بن ابی اُمیہّ نے کہا: '' اے ابو طالب! کیا

عبدالمطلب کے مذہب سے منہ پھیر لو گے؟ (اسی حال میں اُس کی موت واقع ہوئی) تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ)) میں ضرور آپ کے لئے استغفار کرتا رہوں گا، جب تک کہ آپ سے متعلق مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) روک نہیں دیا جاتا، تب یہ آیت نازل ہوئی کہ نبی (ﷺ) اور اہل ایمان کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے دعائے مغفرت کریں اگرچہ وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں............

(صحیح البخاری: ۲۶۷۵)

حالانکہ ابوطالب آپ ﷺ کے ساتھ بڑی شفقت کا معاملہ کرتے تھے، آپ ﷺ کا بہت ساتھ دیا، آپ ﷺ کی خاطر انتہائی مشقتیں اور مصائب برداشت کئے، اپنی قوم سے دشمنی مول لی حتیٰ کہ جب مشرکینِ مکہ نے نبی کریم ﷺ کا سوشل بائیکاٹ کیا تو اُس وقت بھی ابوطالب آپ کے ساتھ ہی رہے، اب غور کیجئے! ایک طرف آپ ﷺ کا تمام جہان والوں کے لئے رحمۃ للعالمین ہونا اور دوسری طرف آپ کے چچا کا آپ کے ساتھ انتہائی محبت وشفقت کا معاملہ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مشرک کے لئے دعائے مغفرت سے روک دیا۔ اسی طرح جملہ اہل ایمان کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس کام سے روکا اور منع فرمایا خواہ شرک پر مرنے والے ان کے عزیز ترین رشتہ دار ہوں یا دوست واَحباب ہوں، اپنا لختِ جگر اپنی اولاد ہو یا مشفق باپ ہو یا اپنی اولاد سے بہت زیادہ شفقت برتنے والی، محبت کرنے والی ممتا بھری پیاری ماں ہی کیوں نہ ہو اگر وہ شرک میں مبتلا ہوں تو اُن کے لئے مغفرت کی دعا مانگنا ہرگز جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم اور اٹل قانون بیان فرما چکا ہے کہ مشرک پر جنت حرام اور جہنم لازم ہے۔

مشرک پر جنت حرام ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾

جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے اُس پر جنت حرام کر دی ہے اُس کا ٹھکانا جہنم ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ (المائدہ:۲:۷۲)

اس آیتِ مبارکہ سے شرک کرنے والے ہر انسان کا انجام واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس پر جنت حرام کر دی ہے، اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہے، اس سے بچانے کے لئے مشرک کا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا، اگرچہ دنیا میں اُس نے ہزاروں مددگار چن رکھے ہوں اور اس کا زعم ہو کہ اللہ کے یہ پیارے دنیا کے مصائب و پریشانیوں میں میری مدد کریں گے میری بگڑی بنائیں گے، دنیا سنواریں گے اور آخرت میں بھی مجھے اپنے دامن میں پناہ دیں گے، میری سفارش کر کے بخشش کروائیں گے اور جہنم سے آزاد کروائیں گے، اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں گے۔

لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنا محکم اور اٹل فیصلہ و قانون واضح کر دیا کہ مشرک پر جنت حرام ہے اُس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ سب باتیں شرک کرنیوالوں کی خام خیالیاں اور خوش فہمیاں ہیں۔ جب اللہ نے اپنا قانون واضح کر دیا اور اہل ایمان کو دنیا میں ہی شرک کرنیوالوں کے لئے دعائے مغفرت سے منع فرما دیا تو آخرت میں اللہ کے پیارے اور نیک صالح بندے کس طرح اللہ کے ساتھ شرک کرنے والوں کی سفارش کر سکتے ہیں اور بارگاہِ صمدیت میں کس طرح ان کیلئے بخشش کی عرضی پیش کر سکتے ہیں؟

نیک لوگوں کی مشرکین سے بیزاری

روزِ محشر اور انبیاء علیہم السلام اور صالحین رحمہم اللہ بھی شرک کرنیوالوں سے بیزاری کا اعلان کر دیں گے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا ایک منظر پیش کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَايَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَالَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕؔ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَافِيْ

نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○ مَاقُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ○ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾

اور جب اللہ (تعالیٰ) فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے علاوہ معبود بنا لو؟ تو عیسیٰ (علیہ السلام) کہیں گے کہ پاک ہے تیری ذات، میرے لئے کسی طرح یہ مناسب نہیں کہ میں ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے کچھ حق نہیں، اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو ضرور جانتا اور تو میرے دل کی بات بھی جانتا ہے اور میں جو کچھ تیرے علم میں ہے اُس کو نہیں جانتا بے شک تمام ترغیبوں کا جاننے والا تُو ہی ہے۔ میں نے ان سے کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا یہ کہ تم اللہ ہی کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے، میں ان پر گواہ رہا جب تک میں ان کے درمیان رہا، جب تو نے مجھے اُٹھالیا تو تُو ہی ان پر مطلع رہا، اور تو ہر چیز پر باخبر ہے۔ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں معاف کر دے تو تُو زبردست حکمت والا ہے۔ (المائدہ:۱۱۶تا۱۱۸)

ان آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بڑے عمدہ پیرائے میں مشرکین کی غلط فہمیوں، خام خیالیوں اور خوش فہمیوں کا ابطال فرمایا، تمام اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ جلّ مجدہ تمام ظاہر و پوشیدہ باتوں کا بخوبی علم رکھتا ہے ذرہ ذرہ کی خبر رکھتا ہے، کوئی چیز اس کے علم سے مخفی نہیں ہے۔ اس کے باوجود اللہ کا یہ سوال کرنا کہ اے عیسیٰ (علیہ السلام) کیا آپ نے انھیں اپنی اور اپنی والدہ محترمہ کی عبادت کا حکم دیا تھا؟ کیا معنی رکھتا ہے؟ اس سوال کا مقصد کیا ہے؟ تو غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ کروڑ ہا لوگ جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور سیدہ مریم علیہا السلام کی ''محبت'' میں غلو کا شکار ہو کر انھیں عبدیت کے مقام سے اٹھا کر معبودیت کے مقام پر

لے آئے تھے، اُن کی تعلیمات کے برعکس اُن کی اندھی محبت میں مبتلا ہو گئے تھے۔ وہ لوگ خود انھیں مقدس ہستیوں کی زبانی، انھیں کی گواہی کی روشنی میں اپنی واضح غلطی کو جان اور سمجھ لیں کہ یہ ان کی تعلیمات نہ تھیں، ہم کس قدر کھلی غلطی میں مبتلا تھے۔

اور آج یہ ہم سے بیزاری کا اعلان کررہے ہیں ہمارا کچھ ساتھ دینے کو تیار نہیں، اندازہ کیجئے! اس موقع پر ایسے نادان انسان کو کس قدر پچھتاوا اور حسرت و یاس کا سامنا ہوگا کہ جن کی محبت میں اندھے ہو کر وہ تمام حدود پھلانگ چکے تھے، وہی آج ہم سے بیزار ہیں، وہی ہمارے خلاف گواہ ہیں۔ دردناک عذاب تو ہوگا ہی لیکن یہ پچھتاوا اور حسرت زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف ہو کر ان کے عذاب میں مزید شدّت پیدا کر دے گا، (اعاذنا اللہ منہ)

واضح رہے کہ اس سے انبیائے کرام علیہم السلام اور صالحین کی شان میں کچھ حرف نہیں آتا، کیونکہ وہ تو بخوبی شرک کی مذمت کر چکے تھے اور اس کے بدانجام سے بھی بخوبی آگاہ کر گئے تھے۔ اب جو اُن کی تعلیمات سے یکسر غافل ہو کر اپنی مرضی سے اس غلطی کے مرتکب ہوئے تو وہی پورے پورے قصوروار ٹھہرتے ہیں، وہی مجرم ٹھہرتے ہیں ایک ایسے جرم کے مرتکب جس کے لئے کسی قسم کی کوئی معافی نہ ملنے کا خود اللہ رب العالمین واضح اعلان فرما چکا ہے۔ رہا سیدنا مسیح علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ ''اگر تو انھیں معاف کر دے تو تُو غالب حکمت والا ہے'' تو یہ ان مشرکین کے حق میں کوئی سفارش یا شفاعت نہیں بلکہ اللہ رب العالمین کے اختیار کا اظہار ہے کہ وہ ﴿**فعال لما یرید**﴾ ہے۔

اس سلسلے میں مزید چند آیات ملاحظہ کیجئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ○ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ﴾

اور جس دن ہم ان سب کو جمع کر دیں گے پھر ہم اُن لوگوں سے کہیں گے جنھوں نے شرک کیا کہ تم اور تمھارے شرکاء (جنھیں تم نے شریک ٹھہرایا) اپنی جگہ ٹھہرے

رہو پھر ہم اُن کے درمیان اختلاف برپا کردیں گے۔ تو ان کے شرکاء کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے، سو ہمارے اور تمھارے درمیان بطورِ گواہ اللہ کافی ہے کہ ہم تو تمھاری اس عبادت سے بے خبر (غافل) تھے۔ (یونس: ۲۸ تا ۲۹)

نیز فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَ كُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ﴾

اور جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے، اگر تم انھیں پکارو تو وہ تمھاری پکار نہ سنیں اگر (بالفرض) سن بھی لیں! تو تمھاری فریادرسی نہیں کریں گے اور قیامت کے دن وہ تمھارے اس شرک کا انکار کردیں گے اور (اللہ) خبیر کی طرح تمھیں قطعاً خبردار نہ کرے گا۔ (فاطر: ۱۳ تا ۱۴)

ان آیاتِ مبارکہ سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوجاتی ہے کہ قیامت کے دن شرک کرنے والے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا، اور وہ نیک لوگ بھی جنھیں پوجا گیا، ان سے بیزاری کا اعلان کردیں گے۔ جیسا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔

ایک شیطانی وسوسہ

ممکن ہے کہ شیطان لعین کسی کے دل میں وسوسہ ڈال دے کہ یہ اور ایسی تمام آیات تو پتھر کے بتوں اور مختلف مورتیوں سے متعلق ہیں نہ کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور صالحین رحمہم اللہ سے متعلق، وہ تو قیامت کے دن ہر طرح سے ہماری مدد اور شفاعت کریں گے۔

وسوسے کا ازالہ

یہ شیطان لعین کی انتہائی خطرناک چال ہے یہ وسوسہ ڈال کر وہ بے شمار انسانوں کو گمراہی کا شکار کر چکا ہے، بلاشبہ انبیائے کرام علیہم السلام اللہ کے اذن سے شفاعت کریں گے لیکن صرف اور صرف موحدین کی جو عقیدۂ توحید کے حامل ہوں گے، شرک سے کوسوں دور ہوں گے اور جو لوگ شرک میں مبتلا ہیں اُن سے بیزاری کا اعلان کریں گے، جیسا کہ سورۂ

مائدہ میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق بیان کیا گیا ہے۔اب جہاں تک مسئلہ پتھر کے بتوں اور مورتیوں کا ہے تو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ محترمہ سیدہ مریم علیہا السلام (**معاذ اللہ ثم معاذ اللہ**) محض پتھر کے بت تو نہیں بلکہ اللہ کے پیارے محبوب بندے ہیں، لیکن قرآن مجید کی رُو سے وہ بھی بیزاری کا اعلان کریں گے۔

پھر یہ بات بھی یاد رہے کہ ابتدائے شرک سے لے کر آج تک بتوں کی پرستش کرنے والے محض خیالی طور پر بنائے گئے بتوں کی پوجا نہیں کرتے بلکہ ان بتوں کے پیچھے کئی ایک سچی یا جھوٹی تاریخی داستانیں ہوتی ہیں جن میں ان کی نیکی یا کارناموں کا ذکر ہوتا ہے اور ان میں سے بعض تو واقعی نیک لوگ بھی ہوئے ہیں جیسا کہ سورۂ نوح میں ہے:

﴿ **وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۵ وَّ لَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا** ﴾ اور انھوں نے کہا کہ ہرگز اپنے اِلٰہوں (معبودوں) کو نہ چھوڑ نا اور نہ ود، سُواع، یغوث، یعوق اور نسر کو چھوڑ نا۔ (نوح:۲۳)

مفسر قرآن حبر الامۃ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں ان پانچوں بتوں سے متعلق فرماتے ہیں:

''**اَسْمَاءُ رِجَالٍ صَالِحِيْنَ مِنْ قَوْمِ نُوْحٍ ، فَلَمَّا هَلَكُوْا اَوْحَى الشَّيْطَانُ اِلٰى قَوْمِهِمْ :أَنِ انْصِبُوا اِلٰى مَجَالِسِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا يَجْلِسُوْنَ أَنْصَابًا وَسَمُّوْهَا بِاَسْمَائِهِمْ، فَفَعَلُوْا، فَلَمْ تُعْبَدْ، حَتّٰى اِذَا هَلَكَ أُولٰئِكَ وَتَنَسَّخَ الْعِلْمُ عُبِدَتْ**'' یہ (پانچوں) نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک صالح افراد کے نام ہیں، جب یہ فوت ہوئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دل میں ڈالا کہ مجلسوں میں جہاں یہ بیٹھتے تھے بت نصب کرلیں اور ان بتوں پر ان (صالحین) کے نام رکھ دیں، پس قوم کے لوگوں نے ایسا ہی کیا پس جب یہ لوگ مر گئے (جنھوں نے ایسا کیا تھا) لوگوں کو اصل حقیقت کا علم نہ رہا تو ان بتوں کی عبادت ہونے لگی۔

(صحیح البخاری:۴۹۲۰)

اور پھر جب نوح علیہ السلام نے انھیں توحید کی دعوت دی تو وہ ماننے کے لئے تیار نہ ہوئے بلکہ مقابلے پر آڈٹے۔

اسی طرح آج بھی بتوں کی پوجا کرنے والے جن بتوں کی پوجا کرتے ہیں ان کی طویل داستانیں سناتے ہیں بدھا، کرشن کنھیا، سیتا، کالی الغرض کہ ہر بت سے متعلق من گھڑت کرشمہ جات کی ایک طویل داستان ہے اور (کہتے ہیں کہ) یہ کبھی جیتے جاگتے انسان تھے۔

شرک کی قباحت مسلمہ ہے

اسلام کا کوئی مدعی شرک کی قباحت وشناعت سے انکار نہیں کرسکتا اور نہ ہی یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ اسلام میں شرک جیسے قبیح ترین فعل کے لئے جواز یا گنجائش موجود ہے۔ الحمدللہ! اسلام کا مدعی ہر فرد یہ جانتا اور مانتا ہے کہ اسلام میں شرک جیسے انتہائی مکروہ عمل کی رتی برابر گنجائش نہیں، شرک سے اللہ سخت نفرت کرتا ہے، شرک کرنیوالا اگر بغیر توبہ کے مرجائے تو اُس کی مغفرت بھی نہیں ہوگی، اُس پر جنت حرام ہے اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت بھی شرک میں مبتلا ہوسکتی ہے یا نہیں؟

افسوس صد افسوس! کہ اب تو اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہو چلا ہے، کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو یہ باور کرانے کے درپے ہیں کہ اُمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فرد شرک میں مبتلا نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ شرک سے محفوظ و مامون ہے!!!

جبکہ دوسری طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ جس طرح گزشتہ انبیائے کرام کی امتوں میں شرک داخل ہو چکا تھا بالکل اسی طرح محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں بھی شرک آسکتا ہے، اس اُمت کے بھی کچھ لوگ شرک میں مبتلا ہوسکتے ہیں بلکہ ہوئے بھی ہیں، محض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی ہونے کی وجہ سے وہ شرک سے محفوظ نہیں ہو جائے گا۔ اب دو گروہ میں سے کس کی بات درست ہے اور کس کی غلط؟ کس کی بات حق ہے اور قرآن وسنت کے عین مطابق اور کس کی بات قرآن وسنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ہے؟

اختلاف کا حل

اس اختلاف کا بلکہ جملہ اختلافات کا حل کس طرح ممکن ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾

اور جس چیز میں بھی تم نے اختلاف کیا اُس کا حکم (فیصلہ) اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ (الشوریٰ:۱۰)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ط ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾

پس اگر کسی چیز میں تمھارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی احسن ہے۔ (النساء:۵۹)

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا دینے کا مطلب اب یہ ہے کہ قرآن کریم اور احادیث کی طرف رجوع کیا جائے، معلوم ہوا کہ کسی بھی مسئلہ میں اگر اختلاف واقع ہو جائے تو ایک مومن کا اولین فریضہ یہ ہے کہ اس کے حل کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کیا جائے، وہاں سے جو حل ملے اُسی پر ایمان و عمل کی بنیاد رکھے یہ ایمان باللہ اور آخرت پر ایمان کی لازمی شرط ہے، اور تنازعات و اختلافات کو ختم کرنے کا بہترین اصول بھی ہے۔ اس میں کسی قسم کی سستی، کاہلی، کوتاہی گویا ایمان باللہ اور آخرت کے معاملے میں سستی و کاہلی کا مظاہرہ کرنا ہے۔ اس قرآنی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے آئیے دیکھتے ہیں کہ ہر دو گروہ میں سے کس کی بات قرآن وسنت کے مطابق اور حق ہے اور کس کی بات قرآن وسنت کے خلاف اور باطل ہے؟ اور یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ آیا محمد مصطفیٰ ﷺ کی اُمت میں بعض لوگوں سے شرک کا صدور ممکن ہے یا نہیں؟ اس امت کے بعض لوگ شرک میں مبتلا ہو سکتے ہیں یا نہیں؟　[باقی آئندہ، ان شاء اللہ]

حافظ ندیم ظہیر

ایک دُشنام طراز کے جواب میں

جب سے آلِ دیوبند کی حقیقت منکشف ہونا شروع ہوئی ہے۔ ان کا اضطراب روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ یہ لوگ اپنی غلطیوں کی اصلاح کرتے اور اپنے اکابر کے اکاذیب سے براءت کا اظہار کرتے، لیکن انھوں نے اس کے برعکس دشنام طرازی، قلم درازی، تبرا بازی اور دوسروں پر جھوٹ کا الزام لگانے کے لئے مزید جھوٹوں اور خلطِ مبحث کا سہارا لینا شروع کیا۔ اس مضمون میں ایسے ہی ایک دشنام طراز کا انتہائی اختصار کے ساتھ علمی جائزہ پیشِ خدمت ہے:

☆ امام الفقہاء و امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ ایک حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: ''**تابعه محمد بن عبدالرحمٰن و عبدالعزیز بن محمد و أسامة بن حفص**'' اس (ابو خالد الاحمر) کی متابعت محمد بن عبدالرحمٰن، عبدالعزیز بن محمد اور اسامہ بن حفص نے کی ہے۔ (صحیح بخاری ج۲ ص۱۱۰۰ ح۵۳۹۸)

(۱) محمد بن عبدالرحمٰن الطفاوی والی روایت صحیح بخاری میں کتاب البیوع (باب: ۵ حدیث: ۲۰۵۷) میں گزر چکی ہے۔

(۲) عبدالعزیز بن محمد الدراوردی والی روایت محمد بن ابی عمر العدنی کی کتاب میں ہے۔ (دیکھئے فتح الباری ۱۳/۳۸۰)

(۳) اسامہ بن حفص المدنی والی روایت صحیح بخاری کتاب الذبائح والصید (حدیث: ۵۵۰۷) میں گزر چکی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں کہ پہلے ایک روایت اصالۃً ہو پھر دوسری متابعۃً ہو بلکہ متابعت والی روایت پہلے، بعد یا دوسری کتاب میں بھی ہو سکتی ہے۔

اب ایک جاہل جو علمِ حدیث کی ابجد سے بھی نابلد ہے وہ اسے جھوٹ قرار دے رہا ہے۔ اس سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ خود کرائے کا کذاب ہے کیونکہ جبہ، ٹوپی پہننے سے یا

''ذہبی'' کا لاحقہ لگانے سے کوئی عالم نہیں بن جاتا۔ ع

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور چیز کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیوان ہی رہا

ایسی مزید مثالیں ملاحظہ کریں! جس سے دجالوں کا دجل، فریبیوں کا فریب اور کذابوں کا کذب روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گا۔ (ان شاء اللہ)

☆ حصین بن نمیر الواسطی ایک راوی ہیں، جن کے بارے میں حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں: ''**و فی الطب حدیثاً واحداً تابعه علیه عنده هشیم و محمد بن فضیل**'' اور (امام بخاری نے اس سے) کتاب الطب میں ایک حدیث روایت کی ہے جس میں اس کی صحیح بخاری میں ہشیم اور محمد بن فضیل نے متابعت کی ہے۔ (ہدی الساری ص ۳۹۸)

نیز دیکھئے صحیح بخاری کتاب الطب باب من لم یرق، حدیث: ۵۷۵۲

اس باب میں حصین بن نمیر کی روایت کے علاوہ دوسری کوئی روایت نہیں ہے لہٰذا یہ کہنا کہ متابعت والی روایت باب میں اصالۃً والی روایت کے بعد ہی ہوتی ہے، لاعلمی، دھوکہ اور مردود بات ہے۔

☆ امام بخاری صحیح بخاری میں داود بن عبدالرحمٰن العطار کی ایک روایت نقل کرتے ہیں۔

(دیکھئے صحیح بخاری کتاب الاذان باب اذا اقام الرجل عن یسار الامام حدیث: ۷۲۶، ارشاد الساری للقسطلانی ۲/ ۶۷)

اس روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''**ولم يخرج له البخاري سوی حدیث واحد فی الصلوٰة متابعةً**'' امام بخاری نے کتاب الصلوٰۃ میں بطورِ متابعت ایک حدیث کے سوا ان کی کوئی روایت بیان نہیں کی۔ (ہدی الساری ص ۴۰۲)

یاد رہے کہ اس باب میں صرف یہی ایک روایت ہے لہٰذا بعض جہال کا یہ فلسفہ باطل ٹھہرا کہ پہلے اصالۃً روایت ہی ہوتی ہے اور پھر متابعۃً، اسے خوب ذہن نشین کر لیں۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ الیاس گھمن دیوبندی نامی شخص کے دو رسالے میرے پیشِ نظر ہیں۔ ان میں دیوبندی اکابر کی روش کو برقرار رکھا گیا ہے اور موروثی طریقہ اپناتے ہوئے دلائل کے بجائے گالی گلوچ کے ذریعے سے اپنے کلیجوں کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

استاذ محترم فضیلۃ الشیخ حافظ بیر علی زئی حفظہ اللہ کے خلاف تبرا بازی کی گئی ، کیوں؟ اس لئے کہ وہ عوام کو بتارہے تھے: ع یہ رہزن ہیں جنھیں تم رہبرِ منزل سمجھتے ہو۔

اب آتے ہیں رسالے میں کئے گئے ان دعوؤں کی طرف جو انھوں نے رٹے رٹائے الفاظ لکھ مارے یعنی جھوٹ ، جھوٹ وغیرہ۔

(۱) کتاب ''امین اوکاڑوی کا تعاقب'' (٦٦) میں علی بن الجعد کی چودہ روایات صحیح بخاری سے پیش کر کے باحوالہ ان کی متابعت ثابت کردی گئی ہے جس کی تحقیق انتہائی آسان ہے ، لیکن

آنکھیں ہیں اگر بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا

ان میں سے ایک حوالہ بھی غلط نہیں ہے۔ والحمدللہ

(۲) نور العینین طبع دوم (اپریل ۲۰۰۲ء ص ۱۸۳۔۱۸۶) وطبع سوم (مارچ ۲۰۰۴ء ص ۱۷۷۔۱۸۰) میں قاری ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ کی صحیح بخاری میں تمام روایات میں متابعات یا شواہد ثابت کردیئے گئے جن میں سے ایک حوالہ بھی غلط نہیں ہے۔ والحمدللہ

تنبیہ: واضح رہے کہ اس کے بعد قاری ابوبکر بن عیاش کے بارے میں استاذ محترم حفظہ اللہ کی تحقیق بدل گئی تو انھوں نے اپنے سابقہ موقف سے علانیہ رجوع کیا ہے۔

دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۸ ص ۵۴ ، اور نور العینین (طبع جدید ، دسمبر ۲۰۰۶ء) ص ۱۶۸

لہٰذا ابوبکر بن عیاش کے بارے میں سابقہ تحقیق منسوخ ہے۔

(۳) نور العینین فی اثبات رفع الیدین طبع قدیم وطبع جدید (دسمبر ۲۰۰۶ء ص ٦٦) میں حوالہ نمبر ۱۰ کے تحت نسائی کے سلسلے میں 5 کا ہندسہ کتابت کی غلطی سے چھپ گیا ہے جس کی اصلاح آئندہ ایڈیشن میں کردی جائے گی۔ (ان شاء اللہ)

تنبیہ: ابوعوانہ کا حوالہ جو نور العینین میں اسی جگہ موجود ہے اُس سے اور صحیحین کی حدیث سے 5 کا مطلوبہ مفہوم واشگاف الفاظ میں ثابت ہے ، لہٰذا یہ واضح ہوا کہ نسائی کے ساتھ 5 کا عدد کتابت کی غلطی ہے۔

اس کمپوزنگ کی غلطی کو وہی لوگ جھوٹ تصور کریں گے جن کی پرورش ہی جھوٹوں میں ہوئی ہو یعنی جن کے پیشوا اور اکابر جھوٹے ہیں۔ ع

بھید کھل جائے گا ظالم تیری قامت کی درازی کا
اگر اس طرہ پر پیچ وخم کا پیچ وخم نکلے

قاسم نانوتوی دیوبندی نے کہا: ''لہٰذا میں نے جھوٹ بولا''

(دیکھئے حکایات اولیاء ص ۳۹۰ حکایت: ۳۹۱)

دوسرے دیوبندی پیشوا نے اعلان کیا کہ ''جھوٹا ہوں'' (دیکھئے فضائل صدقات ص ۵۵۸)

جھوٹو! خود تو جھوٹ کی بیماری میں مبتلا ہو، دوسروں کو کیوں اس دلدل میں گھسیٹ رہے ہو؟ تمھارا ورثہ تمھیں مبارک ہو!

محمد عبداللہ درخواستی دیوبندی نے اپنے ہاتھ اور اپنے قلم سے ایک آیت غلط لکھی ہے۔ دیکھئے کتاب ''تذکرہ محمد عبداللہ درخواستی'' تصنیف صاحبزادہ خلیل الرحمٰن درخواستی ص ۱۸۱، طبع ۱۹۹۵ء۔

دیوبندیو! اب کتابت کی اس غلطی کی وجہ سے درخواستی پر کذاب ودجال کا فتویٰ لگاؤ، اگر نہیں تو پھر دوسروں کی کتابت کی غلطی کی بنا پر سب وشتم کی بوچھاڑ کیوں؟ کیا تمھارے ہاں لینے اور دینے کے پیمانے علیحدہ علیحدہ ہیں؟ ؎ شرم تم کو مگر نہیں آتی

لطیفہ: الیاس گھمن کے خودساختہ ''ذہبی'' لکھتے ہیں: ''**کما قال اللّٰہ تعالیٰ ''الا لعنة الله علی الکذبین**'' (قافلہ حق ج ۱ شمارہ: ۲ ص ۵۷)

حالانکہ اس طرح کی آیت قرآن مجید میں قطعاً نہیں ہے۔ بعد میں یہ غلطی بے چارے کمپوزر کے ذمے لگا دی ہے۔ دیکھئے شمارہ: ۳ ص ۶۴

اور ''تصحیح اغلاط'' میں بھی ''اور کذاب غلط اور کذبا صحیح ہے۔'' شائع کیا گیا ہے۔ حالانکہ ''اور کذاب غلط اور کذاباً صحیح ہے۔'' ہونا چاہئے۔ خود ''تصحیح اغلاط'' کے نام پر پورا صفحہ چھاپ دیا ہے اور دوسروں کی چھوٹی سی کمپوزنگ کی غلطی کو بھی جھوٹ بنا دیا۔ ع

ہم بھی قائل ہیں تیری نیرنگی کے یاد رہے   او زمانے کی طرح رنگ بدلنے والے

حافظ شیر محمد

سیدنا ابوطلحہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے محبت

(۱)

غزوۂ احد کے دن سیدنا ابوطلحہ زید بن سہل الانصاری رضی اللہ عنہ ڈھال بنے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کر رہے تھے۔ آپ بہت ماہر تیر انداز تھے اور پوری قوت سے کمان کھینچ کر تیر چلایا کرتے تھے۔ تیز تیر اندازی کی وجہ سے انھوں نے اُس (احد کے) دن دو یا تین کمانیں توڑ ڈالی تھیں۔ اس دن جو صحابی بھی ترکش لئے ہوئے گزرتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: اس کے تیر ابوطلحہ کو دے دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگی حالات دیکھنے کے لئے اپنا سر مبارک بلند فرماتے تو سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ عرض کرتے: اے اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ اوپر دیکھنے کی کوشش نہ کریں، کہیں کوئی تیر آپ کو نہ لگ جائے۔ میں آپ کی ڈھال ہوں اور میرا سینہ آپ کے سینے کی ڈھال ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۳۸۱۱، صحیح مسلم: ۱۸۱۱)

سبحان اللہ! صحابۂ کرام نے اپنے محبوب سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عظیم جان نثاری کی وہ مثالیں پیش کیں جن سے زیادہ ممکن ہی نہیں۔ اسی وجہ سے رب العالمین نے رحمت للعالمین کے صحابہ کے بارے میں فرمایا: ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾

اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ (التوبۃ: ۱۰۰)

انھی کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ﴾ اور لیکن اللہ نے تمھارے لئے ایمان کو محبوب بنایا اور اسے تمھارے دلوں میں مزین کر دیا اور کفر، فسوق اور نافرمانی کو تمھارے لئے ناپسندیدہ بنا دیا۔ (الحجرات: ۷)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوطلحہ کی آواز، ایک جماعت کے مقابلے میں مشرکوں پر بہت زیادہ بھاری ہے۔ (مسند احمد ۲۰۳/۳ ح ۱۳۱۰۵، وسندہ صحیح)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوطلحہ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے ام سلیم کی طرف شادی کا پیغام بھیجا تو ام سُلیم نے فرمایا: ''میں آپ کو پسند کرتی ہوں اور آپ جیسے انسان کی منگنی رد نہیں ہوسکتی لیکن آپ کافر ہیں اور میں مسلمان عورت ہوں (لہٰذا یہ نکاح نہیں ہوسکتا) لہٰذا اگر آپ مسلمان ہو جائیں تو میرا یہی حق مہر ہے، میں اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں مانگتی۔ پھر ابوطلحہ (رضی اللہ عنہ) مسلمان ہو گئے اور انھوں نے ام سلیم (رضی اللہ عنہا) سے شادی کر لی۔ (مصنف عبدالرزاق ۶/۱۷۹ح ۱۰۴۱۷، وسندہ حسن، سنن النسائی ۶/۱۱۴ح ۳۳۴۳ وسندہ حسن)

یہ وہی ام سُلیم ہیں جو سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں اور غزوۂ حنین میں کفار کے مقابلے میں خنجر لئے پھر رہی تھیں۔ (دیکھئے صحیح مسلم: ۱۸۰۹)

انھوں نے شادی سے پہلے ابوطلحہ سے کہا تھا: کیا آپ جانتے ہیں کہ جن خداؤں کی آپ عبادت کرتے ہیں، انھیں آلِ فلاں کا غلام کارپینٹر بناتا ہے اور اگر تم ان معبودوں کو آگ لگا دو تو وہ جل جائیں؟ یہ ایسی دعوت تھی جس نے سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے دل و دماغ پر اثر کیا اور وہ دینِ توحید: دینِ اسلام قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔

(دیکھئے طبقات ابن سعد ۸/۴۲۷ وسندہ صحیح)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطلحہ اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما کے درمیان رشتۂ اُخوت (بھائی چارہ) قائم فرمایا تھا۔ (صحیح مسلم: ۲۵۲۸)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک پیالہ تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی دفعہ (پانی یا دودھ) پیا تھا۔ اس میں لوہے کا ایک حلقہ تھا جس کے بارے میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ سونے یا چاندی کا حلقہ بنوالیں۔ جب سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انھوں نے فرمایا: ''لَا تُغَيِّرَنَّ شَيْئًا صَنَعَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کیا ہے، تم اس میں سے کچھ نہ بدلو تو انس رضی اللہ عنہ نے اسے تبدیل کرنے کا خیال چھوڑ دیا۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۵۶۳۸)

معلوم ہوا کہ دوسرے صحابۂ کرام کی طرح سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے والہانہ پیار کرتے تھے۔ (باقی آئندہ شمارے میں ان شاء اللہ)

احسن الحدیث حافظ ندیم ظہیر

عورت کا کن لوگوں سے پردہ نہیں

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا﴾ ان عورتوں پر اپنے باپوں کے سامنے آنے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں کے اور نہ اپنے بھائیوں کے اور نہ اپنے بھائیوں کے بیٹوں (بھتیجوں) کے اور نہ اپنی بہنوں کے بیٹوں (بھانجوں) کے اور نہ اپنی (مسلمان) عورتوں کے اور نہ لونڈیوں کے (سامنے آنے میں کوئی گناہ ہے) اور تم (سب) اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔ (الاحزاب: ۵۵)

فقہ القرآن:

☆ گذشتہ آیت میں مطلقاً پردے کا حکم تھا لہٰذا اب ایسے لوگوں کی وضاحت فرمائی جو اس سے مستثنیٰ ہیں اور جن سے عورت بغیر حجاب کے مل سکتی ہے۔ کچھ ایسے ہی افراد کا تذکرہ سورۂ نور (آیت: ۳۱) میں بھی ہے۔

☆ اس آیتِ مبارکہ میں شریعت نے محرم اور غیر محرم کے درمیان ایک حد مقرر فرما دی ہے:

مَحْرَمْ: ایسے حضرات جن سے عورت کا نکاح کرنا حرام ہے۔ مثلاً: بھائی، بھتیجے اور بھانجے وغیرہ۔

غیر مَحْرَمْ: اس ضمن میں ہر وہ شخص آتا ہے جس سے (غیر شادی شدہ) عورت کا نکاح ممکن ہے۔

☆ محرم حضرات کے سامنے عورت (چہرے سے) حجاب اتار سکتی ہے جبکہ غیر محرم کے سامنے نہیں۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ محرم سے صرف چہرے، ہاتھ اور پاؤں کا پردہ نہیں باقی تمام جسم کا پردہ ویسے ہی ہوگا جیسے غیر محرم سے کیا جاتا ہے، البتہ خاوند کا معاملہ اور ہے۔

☆ اگر چہرے کا پردہ نہیں ہے!! تو پھر ''عورت کا محرم کے سامنے آنے میں کوئی گناہ نہیں'' کی تخصیص چہ معنی دارد؟

☆ چچا اور ماموں والد کے حکم میں ہیں لہٰذا عورت کا ان سے بھی پردہ نہیں ہے۔ دیکھئے تفسیر قرطبی (۲/۲۵۰۰) اور زاد المسیر لابن الجوزی (ص ۱۱۳۷) وغیرہ۔

☆ احادیث کی روشنی سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا غلام سے پردہ نہیں ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود (۳۹۲۸، ۴۱۰۶) لیکن موجودہ دور میں نوکر یا ملازم وغیرہ غلام کے حکم میں نہیں ہیں اس لئے ان سے پردہ ضروری ہے۔

☆ احکام و فرائض کی بجا آوری میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے کیونکہ انسان کا کوئی عمل اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ کوئی دیکھ رہا ہو یا نہ دیکھ رہا ہو لیکن اللہ تعالیٰ ضرور دیکھ رہا ہوتا ہے۔